امام علی بن موسی الرضا علیہ السلام

امام رأفت و معرفت

احمد ترابی

مترجم: محمد حسنین

بسم الله الرحمن الرحیم

اهدایی مدیریت تبلیغات و ارتباطات آستان قدس رضوی

احمد ترابی

امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام

امام رأفت و معرفت

ترجمہ: محمد حسنین

ترابی، احمد، ۱۳۳۶

امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام امام رافت و معرفت / احمد ترابی؛ ترجمہ محمد حسنین۔ مشہد: اسلامی تحقیقاتی مرکز، ۱۳۸۱ش۔

ISBN 964- 444-547-3 فہرست نویسی بر اساس اطلاعات فیپا۔

۱۔ علی ابن موسیٰ علیہ السلام، امام ہشتم، ۱۵۳-۲۰۳ق۔ الف۔ محمد حسنین، مترجم۔

ب۔ بنیاد پژوہشہای اسلامی (اسلامی تحقیقاتی مرکز)

ج۔ عنوان: امام رضا علیہ السلام

۲۹۷/۹۵۷ PB۲۸

قومی کتب خانہ ایران ۱۹۰۰۶ ۸۱ام

نام کتاب: امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام امام رافت و معرفت

احمد ترابی

ترجمہ: محمد حسنین

ٹائٹل: سید مسعود فرہنگ

کمپوزنگ و ڈیزائننگ: محمد بشیر عالمی (اسکردوی)

پہلا ایڈیشن: ۲۰۰۲ء

تعداد: ۵۰۰۰

قیمت: ۴۰۰۰ ریال

پیشکش: مرکز تبلیغات و اسلامی روابط آستان قدس رضوی

طابع: چھاپخانہ آستان قدس رضوی

جملہ حقوق محفوظ

مراکز توزیع

بنیاد پژوہشہائے اسلامی (مشہد) فون ادارہ فروش: ۳-۲۲۵۳۰۰۱ پوسٹ بکس: ۳۶۶-۹۱۷۳۵

شرکت بہ نشر، مرکزی دفتر، مشہد، فون: ۷-۸۵۱۱۱۳۶ فیکس: ۸۵۱۵۵۶

Web Site: WWW. islamic-rf.orgE-mail: info@islamic-rf.org

مقدمہ مؤلف

دو پہاڑیوں کے درمیان ایک وادی ہے جو بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اس وادی میں سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک دانا اور حکیم فرزند نے کچھ عرصہ زندگی بسر کی ہے اور ان کے وجود کا سورج اس وادی کے افق پر چمکا ہے۔ اس فرزند رسولؐ نے خاندان رسولؐ سے دور، اولاد علیؑ کی مضطرب نظروں کے سامنے تن تنہا رضائے الٰہی کی اس وادی میں قدم رکھا ہے اور پھر شہادت کا بچھونا بچھا کر ابدی نیند سو گئے ہیں۔

یہ فرزند رسولؐ وہ پردیسی ہیں جو اہل ولایت اور محبت سے آشنا ہیں ور آشنا بھی ایسا کہ جو غریبوں کا مددگار، ان پر اپنا مال خرچ کرنے والے اور صاحب عنایت ہیں۔ وہ اس سرزین پر اکیلے آئے ہیں، بیوی بچے ساتھ نہیں لائے، اس لئے تاکہ سب پر واضح کر دیں کہ وہ مہاجر بن کر آئے ہیں، سیر سیاحت کی فرض سے نہیں آئے ہیں۔ ان کے آنے کا ہدف یہ ہے تاکہ اس پہناور سرزمین میں، سرچشمہ ولایت کی جستجو میں نکلے، لاکھوں راہ گم کردہ لوگوں کو نور ایمان سے سنواریں اور ان کے حرم مطہر کے وسیع ایوان تھکے ماندے دلوں کا ٹھکانہ اور گریزاں ہرنوں کے

مانند دل و دنیا کی فریب دہی سے دوری اختیار کرنے والوں کی دائمی پناہ گاہ بن جائیں۔

حضرت امام علی بن موسیٰ علیہ السلام علم، فضیلت اور تقوی میں یگانہ عصر تھے۔ لیکن نالائق حکمرانوں کے ظلم وستم اور لوگوں کی قدر ناشناسی کی وجہ سے باقی ائمہ اطہار علیہم السلام کی طرح آپ کے وجود کے پرنور آفتاب نے بھی ظلم وستم کے بادلوں کے پس پردہ طلوع کیا اور بہت جلد ہی اپنی غم بھری منزل غروب پہ پہنچا۔

آپ نے بار ہا فرمایا تھا کہ خراسان کی سرزمین میری شہادتگاہ بنے گی اور ایسا ہی ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپؑ کی شہادت اس شہر و دیار کے باشندوں پر بہت گراں گذری لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس 'حجت بالغہ' اور عبد صالح کی ولایت، محبت اور رافت کی روشنی، اس قدر مبارک اور پرنور تھی کہ یہ ساری وادی تشیع کے نور سے منور ہوگئی اور خداوند عالم کی اس نوید کا مصداق کامل بن گئی کہ:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ.

یعنی (کافروں) کی کوشش یہ ہے کہ اللہ کے نور کو منہ کی پھونکوں سے (یعنی اپنے مادی اور بے کار ذرائع استعمال کر کے) بجھادیں، لیکن خدا اپنے نور کو کامل کرنے والا ہے خواہ کافروں کو یہ بات اچھی نہ لگے۔

؎ فانوس بن کے جس کی حفاظت خدا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

امید ہے میری یہ تحریر حضرت امام رضا علیہ السلام کے پُرنور پرتو کی کم از کم ایک دھندلی سی تصویر ضرور پیش کرے گی اور اس مہربان امام کی خوشنودی کا سبب بنے گی۔

احمد ترابی

مقدمہ مترجم

زیارت ایک انتہائی باوفضیلت عمل ہے۔ یہاں تک کہ بعض روایات کی رو سے ائمہ اطہار علیہم السلام کی زیارت کا ثواب کئی مقبول حج اور عمرہ کے ثواب سے بھی زیادہ ہے۔ ہاں! اس فرق کے ساتھ کہ حج ایک مؤکد واجب ہے جبکہ زیارت ایک مؤکد مستحب۔ اگر استطاعت نہ ہو تو حج کرنا واجب نہیں ہے، لیکن اگر استطاعت نہ ہو تو زیارت پھر بھی مستحب ہے۔ حج دور سے ادا نہیں کی جاتی لیکن زیارت دور سے بھی بجالائی جاسکتی ہے۔ حج کا احرام مخصوص مقامات پر باندھا جاسکتا ہے جبکہ زیارت اپنے مکان کی چھت سے یا کسی تنہا اور تاریک گوشے سے بھی بجا لائی جاسکتی ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کی زیارت کی پاداش یہ کہ آپؑ کے زائر پر بہشت واجب اور آتش جہنم حرام ہو جاتی ہے۔ امامؑ تین مقامات پر اپنے زائر کی مدد کو پہنچتے ہیں، پل صراط، نامہ اعمال ملتے وقت اور میزان کے وقت۔ ہاں! اس شرط پر کہ امام علیہ السلام کی خدمت میں زائر کا حقیقی سلام پہنچا ہو! سچا سلام، معرفت بھرا سلام اور عقیدت مندانہ سلام!

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر عمل کی مقبولیت کی کچھ شرائط ہیں اور زیارت کی بھی شرائط ہیں۔ چہ بسا ایک انسان کوسوں میل کا سفر

طے کرکے، زحمتیں برداشت کرکے اور مال دولت لٹا کر ظاہری طور پر زیارت سے شرفیاب ہو، لیکن زیارت کی شرائط سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ ثواب اور اجر و باداش حاصل نہ کر سکے جو ایک دوسرا شخص میلوں دور، زیارت کی شرائط پوری کرکے عقیدت بھرا ایک سلام بھیج کر حاصل کرلے۔

زیارت کی سب سے بڑی شرط، خود زیارت کی حقیقت کو پہچاننا ہے اور زیارت کی حقیقت کی معرفت کا ایک اہم عنصر، اس امام کی پہچان ہے جس کی زیارت کی جارہی ہے۔ یہ کتاب، جس کے ترجمہ کی سعادت حاصل ہوئی ہے یوں تو ہر مؤمن کیلئے، لیکن خاص طور پر حضرت امام رضا علیہ السلام کے زائر کے لئے ایک بہترین تحفہ اور آپؑ کی شناخت اور معرفت کا ایک مختصر مگر جامع منبع ہے۔ انشاء اللہ اس کتاب کا ترجمہ، قارئین کرام کی حضرت امام رضا علیہ السلام کی زندگی، اخلاق اور نورانی شخصیت سے زیادہ سے زیادہ آشنائی اور اس حقیر کی بخشش کا سبب قرار پائے گا۔

شیخ محمد حسنین مشہد مقدس

۱۷ شعبان ۱۴۲۳ھ ۲۴ اکتوبر ۲۰۰۲ء

حضرت امام رضا علیہ السلام کی زندگی کا اجمالی تعارف

شیعوں کے آٹھویں امام، حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام نے ۱۱ ذی قعدہ ۱۴۸ھ میں مدینہ منورہ میں آنکھ کھول کر دنیا کو اپنے مقدس وجود کے نور سے منور کیا۔ آپ کا نام 'علی'، کنیت 'ابوالحسن' اور مشہور القاب 'رضا' (یعنی پسندیدہ) 'غریب الغرباء' (یعنی سب سے بڑا پردیسی) 'معین الضعفاء' (یعنی ضعیفوں کا مددگار) 'شمس الشموس' (یعنی پر فروغ ترین آفتاب) اور 'انیس النفوس' (یعنی لوگوں کا ہمدم) ہیں۔

آپ کے والد گرامی، ساتویں امام حضرت موسیٰ بن جعفر الکاظم علیہ السلام اور آپ کی مادر گرامی، مکرمہ جناب 'تکتم' ہیں کہ جنہیں 'نجمہ' بھی کہا جاتا تھا۔ جب خداوند عالم نے انہیں آپ جیسا فرزند عطا کیا تو انہیں 'طاہرہ' کا لقب دیا گیا، کیونکہ آپ نے اپنی آغوش میں معصوم امام کے گوہر کی پرورش کی تھی۔

حضرت علی بن موسیٰ الرضا کی شادی ایک انتہائی پاک طینت خاتون سے ہوئی جس کا نام 'سبیکہ' تھا جن کے بطن سے آپ کو ایک بیٹا عطا ہوا جس کا نام 'محمد' اور لقب 'جواد' رکھا گیا۔ جب مامون نے اپنے سیاسی اہداف کے تحت حضرت امام رضا علیہ السلام

کو ان کی چاہت کے برخلاف مدینہ سے توس بلایا تو اپنے عزائم کی تکمیل کی غرض سے اس نے اپنی بیٹی ام حبیبہ کا نکاح آپ سے کر دیا، لیکن ام حبیبہ کو کبھی امام کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ ملی اور وہ دوشیزہ رہ گئی۔

شیعہ علماء کے درمیان مشہور نظریہ یہ ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کا محمد بن علی الجوادؑ کے نام سے فقط ایک ہی بیٹا تھا۔ ہاں بعض کتابوں میں آپ کی اولاد، دو پانچ تک بیان کی گئی ہیں۔

اپنے والد گرامی حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام رضا علیہ السلام سنہ ۱۸۳ھ میں ۳۵ سال کی عمر میں، درجہ امامت پر فائز ہوئے۔ آپؑ کی امامت کا عرصہ ۲۰ سال کا ہے۔ جیسا کہ آپؑ نے فرمایا تھا، اس سفر سے جو مامون نے آپؑ پر مسلط کیا تھا ہرگز واپس نہ آئے اور اپنے وطن اور اہل وعیال سے بہت دور ۲۰۳ھ میں ۵۵ سال کی عمر میں مظلومانہ طور پر شہید کر دیے گئے اور توس کے علاقے میں، کہ جسے اب مشہد کہا جاتا ہے، آپؑ کے بدن مطہر کو سپرد خاک کیا گیا۔

حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کی امامت

اہل تشیع کے ائمہ کی زندگی، دو لحاظ سے توجہ کے قابل ہیں۔

۱۔ ان کی علمی، عملی، اخلاقی اور اجتماعی شخصیت:

۲۔ ان کی معنوی اور الٰہی شخصیت:

اگر چہ ان دو پہلوؤں میں سے کسی بھی پہلو کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور نہ ہی ایک پہلو کو دوسرے پہلو پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔ تاہم اہل بیت اطہار علیہم السلام کی امامت اور ولایت انکی سب سے امتیازی خصوصیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محققین نے، ان کی اسی حیثیت کے حوالے سے کافی تعداد میں معتبر اور مستند حدیثیں اور روایات بیان کی ہیں۔

امام علیہ السلام روایات کے آئینے میں:

جناب جابر ابن عبداللہ انصاری جو کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ:

''میں حسین بن علی علیہ السلام کی ولادت کے بعد، مبارکباد کہنے کے لئے جناب فاطمہ علیہا السلام کی خدمت مین حاضر ہوا۔ میں آپؑ کے ہاتھوں میں ایک صحیفہ دیکھا تو پوچھا کہ یہ صحیفہ کیا ہے؟ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے فرمایا: اس صحیفے میں میری اولاد میں سے آنے والے اماموں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔

میں نے آپ سے وہ صحیفہ پڑھنے کی اجازت مانگی اور جب پڑھا تو اس میں ہر ایک امام کا نام اور خصوصیات لکھی ہوئی تھیں۔''۱

پھر جناب جابر نے اس صحیفے میں جو کچھ پڑھا تھا اس کی تفصیل حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں بیان کی۔۲

حدیث کی کتابوں میں ایسی روایات کافی تعداد میں موجود ہیں کہ جن میں حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کا نام ائمہ طاہرین علیہم السلام کے زمرے میں آیا ہے اور آپؑ کی امامت پر تصریح کی گئی ہے۔۳

جناب شیخ طوسی علیہ الرحمہ کی تالیف کردہ کتاب ''الغیبۃ'' میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ:

جابر جعفی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کی تاویل پوچھی:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً ۔۴

امام علیہ السلام نے اس سوال کے جواب میں ایک گہرا سانس لیا اور پھر فرمایا:

''...... بارہ مہینوں سے مراد بارہ امام ہیں''۵

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس حدیث میں بھی حضرت امام علی بن موسیٰ

۱- اس روایت میں امامؑ کا نام آپ کے لقب 'رضا' سے بیان ہوا ہے

۲- اس صحیفے کا متن، عیون اخبار الرضا ج۱، ص۴۲ میں ''خبر لوح'' کے عنوان کے تحت قلمبند ہے

۳- بحار الانوار ج ۳۶، ص ۲۳۲، ۲۸۳-۲۵۲

۴- یعنی بے شک خدا کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ (سورہ توبہ، آیت ۳۶)

۵- اس روایت میں حضرت امام باقر علیہ السلام نے بارہ اماموں کے نام بیان فرمائے ہیں

الرضا علیہ السلام کا ذکر ان کے لقب ''رضا'' سے ہوا ہے۔

جناب داؤد ابن کثیر رقی [1]، حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے:

''میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور مجھ میں اب پہلے والی طاقت اور توانائی باقی نہیں رہی۔ شاید اب میں پہلے کی طرح آپ کی زیارت کو نہ آسکوں لہٰذا آپ مجھے اپنے سے بعد کے امام کا تعارف کروا دیجئے!

ان کے جواب میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: میرے بعد میرے بیٹے ''علی'' امام ہیں۔ [2]

علامہ مجلسیؒ نے حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام کی امامت کے دلائل کے باب میں ۴۸ روایات بیان کی ہیں کہ جن میں حضرت امام کاظم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کو اپنا وصی اور جانشین کے طور پر تعارف کیا ہے۔

۱- علامہ حلی کے مطابق کشی اور شیخ طوسی نے انہیں قابل اعتبار راوی قرار دیا ہے اور ان کے بارے میں اس قسم کے جملے لکھے ہیں کہ وہ قابل اعتماد ثقہ ہیں۔ (رجال علامہ ص ۱۳۶)

۲- عیون اخبار الرضا ج ۱۔ ص ۲۳

حضرت امام رضا علیہ السلام کی معنوی شخصیت

بعض تاریخی روایات کی روشنی میں حضرت امام رضا علیہ السلام کے بعض معنوی اور روحانی جلووں کی فہرست یوں پیش کی جاسکتی ہے۔

۱- آپؑ رات کو کم سوتے تھے اور زیادہ وقت عبادت میں گزارتے تھے۔۱

۲- آپؑ اکثر ایام روزہ رکھتے تھے اور خاص طور پر ہر مہینے کی پہلی، پندرھویں اور آخری تاریخ کو روزہ رکھتے اور فرماتے تھے کہ: ''ذٰلِکَ صَوْمُ الدَّھْر'' یعنی اگر کوئی ہر مہینے کے ان ایام کو روزہ رکھ لے تو گویا اس نے ساری زندگی روزے کی حالت میں گذاری ہے۔۲

۳- آپ کے سجدے بہت طولانی ہوا کرتے تھے، یہاں تک کہ اگر صبح کی نماز کے بعد سر سجدے میں رکھتے تو سورج طلوع ہونے تک سر بسجدہ رہ جاتے تھے۔۳

۴- قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت کرتے تھے اور اس قدر قرآن سے مانوس تھے کہ قرآن سے ہٹ کر گفتگو نہ کرتے تھے۔ آپ ہر سوال کا

۱- بحار الانوار ج ۴۹ ص ۹۱

۲- ایضاً

۳- ایضاً ص ۹۰

جواب قرآن سے دیتے اور اگر کوئی مثال بھی بیان کرتے تو وہ قرآن کریم ہی سے ماخوذ ہوتی تھی۔ ۱

۵- آپ جب بستر خواب پر لیٹتے تو خدا کی یاد اور قرآن کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ ۲

۶- قرآن کریم کی نورانی آیات کی تلاوت کے دوران اگر کسی ایسی آیت پر پہنچتے کہ جس سے دوزخ اور عذاب الٰہی کا ذکر ہوتا تو دھاڑیں مار کر روتے اور خدا سے پناہ مانگتے تھے۔ ۳

۷- اول وقت کی نماز کو اہمیت دیتے تھے اور اگر روزہ بھی ہوتا تو پہلے نماز پڑھتے اور پھر افطار کرتے تھے۔ ۴

۸- سفر میں بھی نوافل اور خاص طور پر نماز تہجد ترک نہیں کرتے تھے۔ رات کی آخری تنہائی میں خدا کا ذکر کرتے ہوئے بستر سے اٹھتے، مسواک کرتے، وضو کرتے اور مصلائے عبادت پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ ہر رات نماز تہجد کے علاوہ، نماز جعفر طیار بھی پڑھتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک تعقیبات میں مشغول رہتے اور سجدہ شکر بجالاتے تھے۔ ۵

۹- آپ کی زبان پر ہمیشہ خدا کا ذکر جاری رہتا تھا۔ ۶

۱۰- آپ بہت خدا ترس تھے۔ ۷

۱۱- نماز کے علاوہ دیگر اوقات میں مناجات خدا سے مانوس رہتے تھے۔ ۸

۱- بحار الانوار ج ۴۹ ص ۹۰ ۲- ایضاً

۳- بحار الانوار ج ۴۹، ص ۹۳ ۴- ایضاً

۵- ایضاً ص ۹۳

۶- ایضاً ص ۹۸، ۹۲، ۹۱

۷- ایضاً ۸- ایضاً

۱۲- زیادہ تر وقت نماز میں گذارتے تھے۔ ۱

۱۳- رجا بن ابی ضحاک کو مامون نے یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ مدینہ سے ''مرو'' تک وہ امامؑ کے ساتھ ساتھ رہے خلیفہ نے اسے حکم دیا کہ وہ اس طولانی سفر کے دوران دن رات امامؑ کے ساتھ ساتھ رہے۔ چنانچہ اس سفر کے اختتام پر رجا ابن ابی ضحاک نے اپنے مشاہدات ان الفاظ میں بیان کئے:

''خدا کی قسم، میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو پرہیزگار، خدا کی یاد میں مشغول اور خدا ترس نہیں پایا۔'' ۲

۱- بحار الانوار ج ۴۹ ص ۹۱

۲- عیون اخبار الرضاؑ ج ۲ ص ۱۸۰

حضرت امام رضا علیہ السلام کی اخلاقی شخصیت

جناب ابراہیم ابن عباس کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ کافی عرصہ امام کی خدمت میں رہے اور فیض الٰہی کے اس سرچشمے سے استفادہ کیا۔ امام کے اخلاق طرز زندگی کے بارے میں اس کا کہنا ہے کہ:

''میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ امام نے اپنی زبان کے ذریعے کسی کی توہین کی ہو یا کسی کو اذیت پہنچائی ہو یا کسی کی بات مکمل ہونے سے پہلے کاٹ دی ہو۔ آپؑ ضرورتمندوں کی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ دوسروں کی موجودگی میں کسی چیز کا سہارا لے کر نہیں بیٹھتے تھے اور نہ ہی پاؤں پھیلا کر بیٹھتے تھے۔ آپؑ غلاموں سے نرم لہجے میں بات کرتے تھے۔ کسی بھی محفل میں اونچی آواز سے ہنستے نہ تھے۔''[1]

ابن ابی عباد جو کہ مامون کا وزیر تھا، آپؑ کے طرز زندگی کے بارے میں کہتا ہے:

''حضرت علی بن موسیٰ علیہ السلام گرمیوں میں چٹائی پر بیٹھتے تھے، سردیوں میں ان کا بچھونا بوریا ہوتا تھا۔ لوگوں کی عدم

۱- عیون اخبار الرضا ج ۲، ص ۱۸۴

موجودگی میں کھردرا لباس زیب تن کرتے تھے اور لوگوں کی موجودگی میں عام لباس پہن لیتے تاکہ (آپ کھردرے لباس کو) زہد کا دکھلاوا تصور نہ کیا جائے۔"[1]

اخلاق امام علیہ السلام روایات کی روشنی میں:

۱- اکثر ضرورتمندوں کی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔

۲- صدقہ دینے اور خاص طور پر راتوں کی تاریکی میں چھپ کر لوگوں تک صدقہ پہنچانے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔

۳- اپنے خدمتگاروں کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔

۴- امیروں، غریبوں، اپنوں اور غیروں میں سوائے تقویٰ کے کسی قسم کے امتیاز کے قائل نہ تھے۔

۵- ہمیشہ خندہ پیشانی اور تبسم کی حالت میں رہتے۔

۶- کھانا شروع کرنے سے پہلے، اپنی غذا کا سب سے بہترین حصہ بھوکے غریبوں کیلئے الگ کر لیتے تھے۔

۷- ناداروں کی محفل میں بیٹھتے تھے۔

۸- جنازے کی تشییع میں شرکت فرماتے۔

۹- کبھی قہقہہ لگا کر نہ ہنستے تھے۔

۱۰- مؤمنین کی ضروریات پوری کرنے اور ان کی مشکلات حل کرنے کو دوسرے کاموں پر ترجیح دیتے تھے۔

۱- عیون اخبار الرضا ج ۲ ص ۱۷۸

۱۱- چٹائی پر بیٹھتے تھے۔

۱۲- اکثر اوقات قرآن کی تلاوت میں مصروف رہتے۔

۱۳- اپنی باتوں سے کسی کا دل نہ دکھاتے۔

۱۴- کسی کی بات نہیں کاٹتے تھے۔

۱۵- جہاں تک ہوسکتا، کسی سائل کو خالی نہیں لوٹاتے تھے۔

۱۶- دوسروں کی موجودگی میں پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے۔

۱۷- دوسروں کی موجودگی میں دیوار کا سہارا نہ لیتے اور تکیہ نہیں دیتے تھے۔

۱۸- ہمیشہ خدا کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔

۱۹- فضول خرچی سے مکمل طور پر پرہیز کرتے تھے۔

۲۰- اگر کوئی مسافر، سفر کے دوران اپنی پونجی کھو بیٹھتا یا خرچ کر دیتا تو بغیر کسی بدلے کی آرزو کے اس کے سفرخرچ کا بندوبست کرتے تھے۔

۲۱- روزہ داروں کو افطاری فراہم کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں تھے۔

۲۲- مریضوں کی عیادت فرماتے تھے۔

۲۳- مہمان کی اپنے ہاتھوں سے ضیافت کرتے تھے۔

۲۴- اگر کوئی دسترخوان پر کھانا کھانے میں مصروف ہوتا تو اسے اپنے احترام میں کھڑا نہیں ہونے دیتے تھے۔

۲۵- اگر کوئی آپ سے سوال پوچھتا تو اس کی بات بڑے غور سے سنتے تھے۔

۲۶- خوشبو کا استعمال کرتے تھے، خاص طور پر نماز کے لئے۔

۲۷- بدن اور لباس کی صفائی اور خاص طور پر سر کے بالوں کی صفائی کا خاص خیال رکھتے تھے۔

۲۸- کھانا شروع کرنے سے پہلے ہاتھ دھوتے لیکن کسی چیز سے خشک نہ کرتے اور کھانا ختم ہونے کے بعد بھی ہاتھ دھوتے اور تولئے سے خشک کر لیتے تھے۔

۲۹- اگر کھانا بچ جاتا تو اسے نہ پھینکتے۔

۳۰- دوسروں کے ہوتے ہوئے اکیلے نہ کھاتے۔

۳۱- بہت بڑے صابر تھے۔

۳۲- اگر کسی کو مزدوری پر لیتے تو کام شروع کرنے سے پہلے اس کی اجرت طے کر لیتے اور کام ختم ہونے پر اسے کچھ اضافی رقم بھی دے دیتے تھے۔

۳۳- سب سے خندہ پیشانی اور مہربانی کے ساتھ پیش آتے۔

۳۴- بڑے متواضع تھے۔

۳۵- فقیروں اور بے سہارا لوگوں کی بہت زیادہ بخشش کرتے تھے۔ ۱

یقیناً جن صفات کا ذکر ہوا ہے وہ آپ کی اخلاقی شخصیت کے خرمن کا ایک ہی خوشہ ہیں نہ کہ پورا خرمن۔

۱- آپ کی یہ صفات ان کتابوں سے اخذ کی گئی ہیں:

(۱) عیون اخبار الرضا: ج ۲، ص ۱۷۹ (۲) وسائل الشیعہ ج ۱۶، ص ۳۹۸، ۵۰۰، ۵۲۲، ۵۳۷

(۳) بحار الانوار ج ۴۹، ص ۱۰۰، ج ۶۶، ص ۴۰۳، ج ۷۹، ص ۳۰۰ (۴) مسند امام الرضا علیہ السلام: ج ۱، ص ۳۸ ۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کی علمی شخصیت

ہمارے آٹھویں امام، اپنے آباء و اجداد کی طرح، اس قدر عظیم علمی مقام پر فائز تھے کہ آپؑ کو عالم آل محمدؐ لقب دیا گیا۔

جناب اباصلت ہروی، محمد ابن اسحاق ابن موسیٰ بن جعفرؑ سے روایت کرتے ہیں:

''امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام اپنی اولاد سے فرماتے تھے کہ تمہارا بھائی علی بن موسیٰ، خاندان پیغمبرؐ کا حکیم ہے۔ اپنی دینی ضروریات اور مسائل کا جواب ان سے طلب کیا کرو اور جو کچھ وہ بتائیں اسے یاد کرلو کیونکہ میرے بابا، امام صادق علیہ السلام نے کئی بار مجھ سے فرمایا تھا: تیری نسل سے خاندان پیغمبرؐ کا عالم پیدا ہوگا۔ اے کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا اور اسے دیکھتا''[1]

امام علیہ السلام کے مناظرات:

عباسی خلافت کے کارندے، خاص اہداف کے تحت، مختلف مذاہب اور فرقوں کے دانشوروں کو دعوت دیتے اور انہیں امام رضا علیہ السلام کے مدمقابل قرار دیا کرتے اور ان کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ ان مناظروں

۱- اعلام الوریٰ ص ۳۱۵ اور اثبات الہداۃ ص ج ۲، ۲۸۰

میں کم از کم ایک بار بھی ہو سکے تو امام علیہ السلام سوالوں کا جواب نہ دے سکیں۔ بہر حال مامون کا ہدف کچھ بھی ہو، ان محفلوں کی بدولت امام علیہ السلام کی عظمت واضح طور پر آشکار ہوگئی اور شیعوں نے بھی آپؑ کے علمی اور اعتقادی مقام سے فیضیاب ہوئے۔

جناب عبد السلام ہروی، جو کہ ان اکثر محفلوں میں حاضر تھا، کہتا ہے:

''میں نے کسی شخص کو بھی حضرت امام رضا علیہ السلام سے بڑا دانا نہیں پایا جس دانشور نے بھی آپ کو دیکھا وہ آپ کے علم کی برتری کی گواہی دے گیا۔ جن محفلوں اور مجلسوں میں دانشوروں، فقیہوں اور مختلف ادیان کے علماء حاضر رہتے، آپؑ ان سب پر اس قدر غالب آتے کہ انہیں اپنی علمی کمزوری اور امام علیہ السلام کی علمی برتری کا اعتراف کرنا پڑتا تھا''[1]

ادیان و مکاتب سے واقفیت:

حضرت امام رضا علیہ السلام ایک طرف سے تو مختلف ادیان اور مذاہب کے علماء کے سوالوں کا دوٹوک جواب دیتے اور دوسری طرف اپنے مخاطب کے مذہب اور عقیدے کی اساس پر بات اور استدلال کرتے تھے اور آپؑکا یہ رویہ آپؑ کی علمی توانائی کا ایک نمایاں مظہر تھا۔ امام علیہ السلام، اہل تورات کو تورات سے، انجیل کے پیروکاروں کو انجیل سے، زبور کے ماننے والوں کو زبور سے اور ہر فرقے اور گروہ کو خود ان کے مذہب کی بنیاد پر جواب دیتے تھے۔[2]

۱۔ کشف الغمہ ج ۳، ص ۱۵۷

۲۔ احتجاج طبرسی ج ۲، ص ۴۱۵

مختلف زبانوں سے آگاہی:

جناب اباصلت ہروی فرماتے ہیں:

''امام رضا علیہ السلام، لوگوں سے خود ان کی زبان میں بات کرتے تھے۔ خدا کی قسم، وہ زبان اور تہذیب سے خود اس زبان اور تہذیب کے اہل سے زیادہ فصیح اور زیادہ آگاہ تھے۔''

جناب اباصلت فرماتے ہیں کہ:

''میں نے عرض کی: اے رسول خداؐ کے فرزند! میں آپ کے مختلف زبانوں پر تسلط اور احاطے سے حیران ہوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: میں لوگوں پر خدا کی حجت ہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کسی کو لوگوں پر حجت قرار دے لیکن وہ ان کی زبان سے واقف نہ ہو۔ آیا امیر المومنین علی علیہ السلام کا یہ فرمان آپ تک نہیں پہنچا کہ آپ نے فرمایا:

ہمیں ''فصل الخطاب'' عطا کیا گیا ہے۔ اور اس سے مراد مختلف زبانوں سے آشنائی کے علاوہ کچھ نہیں'' ۱

مامون کی پشیمانی:

مامون کا یہ اصرار ہوتا تھا کہ امام علیہ السلام کی خدمت میں علمی محفلوں کا انعقاد اور آپ کے ساتھ دانشوروں کے مناظروں کا اہتمام کیا جائے۔ لیکن آخر میں وہ امام علیہ السلام کو ان مناظروں میں شرکت کی دعوت دینے پر بہت پشیمان ہوا۔ کیونکہ ابتداء میں تو اس کا ہدف یہ تھا کہ ان مناظروں کے ذریعے امام رضا علیہ السلام کی تحقیر اور آپ کے علمی مقام و

۱- عیون اخبار الرضا ج ۲، ص ۲۷

منزلت کی توہین کر سکے گا۔ اور عوام کو ایسے جلسوں میں مشغول رکھ کر ان کی توجہ مملکت کے سیاسی مسائل سے ہٹا دے گا لیکن جب اس نے دیکھا اسے اس مقصد میں ناکامی ہوئی تو بہت پشیمان ہوا، یہاں تک کہ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہی وہ واقعات تھے جو امام علیہ السلام کی شہادت کا پیش خیمہ قرار پائے۔۱

۱۔ جناب اباصلت ہروی سے پوچھا گیا کہ مامون امام رضا علیہ السلام کو شہید کرنے پر آمادہ کیوں ہوا؟ انہوں نے جواب میں فرمایا: خلیفہ کی دو منصوبوں میں ناکامی اس کا سبب تھی:

(۱)۔ ولی عہدی کی سازش میں اس کی ناکامی

(۲)۔ علمی مناظرات میں امام علیہ السلام کی فتح

جناب اباصلت کے بقول، چونکہ خلیفہ ان دونوں منصوبوں میں ناکام ہوا لہٰذا اس آپ کو شہید کرنے کا فیصلہ کیا (عیون اخبار الرضا ج ۲، ص ۲۳۹)

حضرت امام رضا علیہ السلام کی سیاسی زندگی

حضرت امام رضا علیہ السلام اپنی امامت کے عرصے میں کئی عباسی خلیفوں کے معاصر تھے، لیکن فقط مامون ہی کے عہد خلافت میں ایسے حالات پیش آئے کہ جن کے سبب امام علیہ السلام نے اپنا موقف ظاہر کیا۔ آپ کی امامت کا ۱۰ سال کا عرصہ ہارون کی خلافت کے زمانے میں گذرا۔ اس دس سالہ عرصے میں چونکہ حکومت کئی بحرانوں کا شکار تھی لہذا اس نے کبھی بھی امام کے مقابل ٹھہرنے کی کوشش نہیں کی۔

ہارون رشید کی پریشانی

ہارون رشید جب اپنی عمر کے آخری دن گذار رہا تھا تو اسے عباسی حکومت کے مستقبل کی فکر لاحق تھی۔ اسی ہدف کے تحت ہی اس نے ۱۷۵ھ ق، میں اپنے پانچ سالہ بیٹے محمد امین کا تعارف اپنے جانشین کے طور پر کروایا۔ ۱

ٹھیک سات سال بعد، یعنی سنہ ۱۸۲ھ ق میں اس نے مامون کا تعارف امین کے جانشین کے طور پر کروا کر عباسی حکومت کو دوام دینے کی ایک اور کوشش کی۔ ۲ سنہ ۱۸۶ھ ق مین ہارون اپنے بیٹوں یعنی

۱-البدایہ والنہایہ۔ ج ۱۰ ص ۱۶۵

۲-ایضاً ص ۱۷۹

امین، مامون اور موتمن کے ہمراہ حج کی ادائی کے لئے روانہ ہوا۔ وہاں اس نے سیاسی، عدلیہ اور فوجی عہدیداروں کی موجودگی میں ایک عہدنامے پر اپنے دونوں بیٹوں یعنی امین اور مامون سے دستخط لئے اور اس عہدنامے کا ایک نسخہ کعبہ کے اندر، دیوار پر آویزاں کیا۔ اس قرارداد کے ذریعے ہارون نے حکومتی عہدیداروں کو اپنے بیٹوں کا تعارف کروانے کے ساتھ ساتھ یکے بعد دیگرے ان سے یہ عہد لیا کہ وہ اس قرارداد کی مخالفت نہ کریں گے۔ پھر ہارون نے حکم دیا کہ اس قرارداد کا متن حاجیوں کے اجتماع میں پڑھ کر سنایا جائے تاکہ حج سے واپسی پر لوگ امین اور مامون کی جانشینی کی خبر دوسروں تک پہنچا دیں۔۲

ہارون کی موت اور اس کے نتائج:

آخرکار سنہ ۱۹۳ ھ ق میں ہارون کا 'توس' کے علاقے میں انتقال ہوگیا۔ باپ کی موت کے تھوڑے ہی عرصے بعد، دو بھائیوں کے درمیان اقتدار کی جنگ چھڑ گئی۔ اب بیٹوں کی سیاسی منطق بھی وہی تھی کہ جس کا باپ کئی بار یہ کہہ کر اعلان کر چکا تھا کہ: اَلْمُلْكُ عَقِيْمٌ (حکومت بانجھ ہے۔)۳ دونوں بھائیوں کا یہ اختلاف جس کا سبب پنہاں ہاتھ تھے، آخرکار ان کے درمیان جنگ پر منتج ہوا اور یوں امین، مامون کے کارندوں کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔

مامون کی خلافت:

مامون ۱۵ ربیع الاول سنہ ۱۷۰ ھ ق میں ''یاسریہ''۴ کے مقام پر پیدا

۱- تاریخ ابن خلدون ج ۳، ص ۲۲۲

۲- تاریخ طبری ج ۶، ص ۴۸۱/

۳- بحار الانوار ج ۴۸، ص ۱۳۱/ ۴- بغداد کے نزدیک ایک گاؤں کا نام ہے۔ معجم البلدان ج ۵، ص ۴۲۵

ہوا۔ اس کی ماں ہارون کی ایک کنیز تھی جس کا تعلق ''بادغیس''[۱] سے تھا۔

مامون اپنے بھائی امین کے زمانہ خلافت میں سلطنت کے مشرقی علاقوں کا گورنر تھا۔ امین کے قتل کے بعد سنہ ۱۹۸ ھ ق میں پوری اسلامی خلافت پر مامون کا قبضہ ہوگیا۔ اگر مشرقی علاقوں پر اس کی حاکیت کے عرصے کو بھی شمار کیا جائے تو یوں مجموعی طور پر مامون کا دور خلافت بیس سال سے زائد ہے۔[۲]

مامون اور حکومتی مشکلات:

مامون نہ تو بغداد اور کوفہ کے عوام سے بیعت لے سکا تھا اور نہ ہی مدینہ، مکہ اور بصرہ کے عوام کی حمایت حاصل کر سکا تھا، کیونکہ شیعوں اور علویوں کی تو عباسی خاندان سے بنیادی مخالفت چلی آرہی تھی اور عباسی بھی اس وجہ سے مامون سے راضی نہ تھے کیونکہ وہ اس کے ہاتھوں امین کے قتل کو ایک ناقابل توجیہ جرم سمجھتے تھے۔

مامون کی دوسری مشکل اسلامی مملکت کے گوشہ و کنار میں پائی جانے والی ناامنی اور خاص طور پر وہ مخالف حکومت تحریکیں تھیں جو زور پکڑ چکی تھیں۔

مامون کی تیسری اور سب سے بڑی مشکل جو اسے ہمیشہ پریشان کئے رکھتی تھی، حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کی برجستہ اور ممتاز شخصیت تھی جو عوام الناس کی توجہ کا مرکز بن چکی تھی۔ بنابراین، مامون نے سوچا کہ ایک منصوبے کے تحت ان سب مشکلات کو یکجا حل کردے۔ اس کا یہ

۱۔ یہ علاقہ اس زمانے میں خراسان کا حصہ تھا اور اب افغانستان کے شہر ہرات کے نواح میں واقع ہے۔

۲۔ تاریخ طبری ج ۷، ص ۱۹۸، الکامل ج ۶ ص ۳۳۲

منصوبہ اس قدر پیچیدہ تھا کہ بہت سے سیاسی تبصرہ نگار، خواہ دوست خواہ دشمن، ششش و پنج کے عالم میں پڑ گئے۔ اس کے منصوبے کا سب سے پہلا قدم یہ تھا کہ حضرت علی بن موسیٰ الرضا (علیہ السلام) کو عالم اسلام کے مرکز یعنی ''مدینۃ الرسولؐ'' سے دور کر دیا جائے اور پھر اس منصوبے کے باقی حصوں کو عملی جامہ پہنائے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کا مدینہ سے مرو کی طرف تاریخی سفر

مامون نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد حضرت امام رضا علیہ السلام کو ایک خط بھیج کر مدینہ سے خراسان بلوایا۔ امام علیہ السلام نے خراسان آنے سے انکار کر دیا، لیکن مامون کا اصرار برابر بڑھتا رہا اور اس نے یکے بعد دیگرے دعوت نامہ بھیج کر یہ بات واضح کر دی کہ وہ کسی طور پر بھی اپنے منصوبے سے دستبردار ہونے والا نہیں ہے۔ [1]

مامون نے ان دعوت ناموں کے علاوہ، اپنے مامور ''رجاء ابن ضحاک''[2] اور ''یاسر خادم''[3] کو بھی مدینہ بھیجا۔ وہ مدینہ پہنچ کر امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے آنے کا مقصد یوں بیان کیا:

''اِنَّ المَامون اَمَرَنَا بِاِشخَاصِکَ اِلٰی خُرَاسَان''[4]

یعنی مامون نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ کو خراسان لے جانے کی ذمہ داری ادا کریں۔

۱۔ عیون اخبار الرضا ج ۲ ص ۱۳۹ ۲۔ وہ عباسی حکومت کا کارندہ تھا اور مامون کے زمانے میں مالیات کے دیوان کا قلمدان اس کے پاس تھا۔ لغت نامہ دھخدا ج ۲۳ ص ۲۸۹ ۳۔ (مرحوم شیخ طوسیؒ کے بقول وہ امام علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا۔ (تنقیح المقال فی احوال الرجال ج ۳ ص ۳۰۷)

۴۔ اصول کافی ج ۲ ص ۴۰۷، مسند الامام الرضا علیہ السلام ج ۱ ص ۵۲

حضرت امام رضاؑ، خلفاء کی چالوں سے بخوبی آشنا تھے۔ انہیں اپنے پدر گرامی کی طولانی قید اور وہ تمام تلخیاں اور مصائب سے واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مامون ایک ایسا شخص ہے جو اپنے بھائی (امین) کا قاتل ہے اور لوگوں میں آپ کی موجودگی سے پریشان ہے۔ یقیناً وہ اس پریشانی کو دور کیے بغیر چین کا سانس نہیں لے گا۔ لہٰذا اگرچہ حضرت امام رضاؑ دلی طور پر اس سفر پر راضی نہ تھے اور آپ کو یقین تھا کہ اس سفر سے زندہ واپس نہیں لوٹیں گے، لیکن اس کے باوجود بھی آپ خراسان کا سفر اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ [1]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر سے وداع:

جب حضرت امام رضاؑ خراسان کا سفر اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے تو آپ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک قبر کے ساتھ چند بار ایسے انداز میں وداع کیا کہ جس سے بالکل واضح ہو گیا کہ آپ کو اس سفر پر مجبور کیا گیا ہے اور آپؑ پریشانی کے عالم میں یہ سفر اختیار کر رہے ہیں۔ آپ نے ایسا اس لئے کیا تاکہ لوگوں پر یہ بات واضح ہو جائے کہ آپ کو اس سفر پر مجبور کیا گیا ہے۔ آپ نے مدینہ چھوڑنے سے پہلے اپنے تمام رشتہ داروں کو بلایا اور فرمایا کہ:

''مجھ پر بکا کرو میں پھر مدینہ واپس نہیں آؤں گا'' [2]

پہلا قدم اور پہلی تجویز:

مامون نے حضرت امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کو نہ تو کسی زیارتی

۱۔ اصول کافی ج ۲ ص ۴۰۷، مسند الامام الرضا علیہ السلام ج ۱ ص ۵۲

۲۔ عیون اخبار الرضا ج ۲ ص ۲۱۷

سفر پر بلایا تھا اور نہ ہی کسی سیاحتی سفر کی دعوت دی تھی ، اور نہ ہی 'مرو' کا شہر مکہ تھا ، نہ مدینہ اور نہ ہی اس کی کوئی تاریخی حیثیت تھی۔ امام کو ایک ایسے طولانی اور طاقت فرسا سفر پر بلانے سے مامون کا ہدف وہی تھا جس کا خاندان پیغمبر ؐ کو پہلے ہی سے خطرہ تھا۔ وہ مامون کے اس بلاوے پر پریشان اس لئے تھے کہ جب کبھی کسی امام کو کسی خلیفہ کے دربار میں بلایا گیا تو اس کی توہین کی گئی ، ڈرایا دھمکایا گیا ، قید میں ڈالدیا گیا ، شکنجوں میں کس دیا گیا یا پھر جلاوطن کر دیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس بار بھی فرزندان علیؑ کو مامون کے حضرت امام رضاؑ کے ساتھ ناروا سلوک سے فکرمند تھے۔ لیکن جب 'مرو' کے شہر میں پہنچنے کے بعد لوگوں کو امامؑ سے ملنے کی عام اجازت دی گئی تو یہ ایک ایسی غیر متوقع بات تھی کہ جو جستجو طلب ذہنوں کے لئے حساسیت کا سبب بن گئی۔

بالآخر ایک دن مامون نے امامؑ کے ساتھ ایک ملاقات کے دوران اپنے اصلی ہدف کی طرف پہلا قدم بڑھاتے ہوئے آپ کے سامنے وہ بات کہی کہ سامعین کی اکثریت کی حیرانی کا باعث بنی۔ مامون نے حضرت امام رضاؑ سے خطاب کیا:

"اے فرزند رسولؐ! میں آپ کی خدمت میں یہ گذارش پیش کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ حکومت اور خلافت کا نظم و نسق اور امت اسلامی کی حکمرانی کی ذمہ داری خود ہی سنبھال لیں۔" ۱

امامؑ نے یہ تجویز ٹھکرا دی۔ خلیفہ نے کئی بار یہی تجویز دہرائی لیکن کوئی نتیجہ حاصل نہیں کیا۔

۱- عیون اخبار الرضا ج ۲، ص ۲۱۷

اقتدار کی تجویز دو دھاری تلوار:

اقتدار سونپنے کی یہ تجویز، دراصل ایک ایسی دو دھاری تلوار تھی جو مامون نے امامؑ کے خلاف اٹھائی تھی۔ اگر آپؑ یہ تجویز مان لیتے تو امامت کا تقدس پامال ہو جاتا، عباسیوں کی حکومت کو شرعی جواز مل جاتا، امام پر دنیا پرستی کا الزام آتا، آپؑ کی بدنامی ہوتی اور اس سب کچھ کے باوجود (عملی طور پر) حکومت بھی آپؑ کو نہ ملتی۔ اور اگر امامؑ اس تجویز کو ٹھکرا دیتے، تب بھی مامون اپنے ہدف کے بہت نزدیک تر ہو جاتا اور اسے اپنی کامیابی تصور کرتا، کیونکہ اس صورت میں وہ اولاد علی اور حضرت علی علیہ السلام کے ماننے والوں کے سامنے یہ کہہ سکتا تھا کہ میں تو حکومت علی بن موسیٰ علیہ السلام کے حوالے کرنے پر آمادہ ہوں لیکن خود انہوں نے اسے ٹھکرا دیا ہے۔ بنا، براین، حضرت امام رضا علیہ السلام جو انتخاب بھی کرتے، مامون اس سے غلط فائدہ اٹھاتا۔

عبدالسلام بن صالح ہروی کا کہنا ہے کہ:

''ایک دن مامون نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے کہا: اے رسول خدا کے فرزند! مجھے آپ کے فضل، زہد، پرہیزگاری اور عبادت کا بخوبی علم ہے۔ لہٰذا میں آپ کو خلافت کے لئے اپنے سے زیادہ مستحق سمجھتا ہوں۔ امامؑ نے فرمایا:

مجھے خداوند متعال کی بندگی پر فخر ہے اور مجھے امید ہے کہ میں دنیا سے منہ موڑ کر دنیا کی آفتوں سے بچ جاؤں گا، محرمات الٰہی سے پرہیز کر کے نجات پا جاؤں گا اور تواضع اور انکساری اختیار کر کے خدا کے نزدیک بلند مرتبہ پا جاؤں گا۔''

امامؑ اور مامون کی یہ گفتگو کافی طولانی ہوئی لیکن بے نتیجہ رہی اور امامؑ

نے دوٹوک الفاظ میں ماموں کو ایک ایسا جواب دیا جو بے نظیر تھا۔ اس جواب میں بہت سے نکتے چھپے ہوئے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا:

''اِنْ كَانَتْ هٰذِهِ الْخِلَافَةُ لَكَ وَاللّٰهُ جَعَلَهَا لَكَ فَلَا يَجُوْزُ اَنْ تَخْلَعَ لِبَاسًا اَلْبَسَكَ اللّٰهُ وَ تَجْعَلَهُ لِغَيْرِكَ وَاِنْ كَانَتِ الْخِلَافَةُ لَيْسَتْ لَكَ فَلَا يَجُوْزُ لَكَ اَنْ تَجْعَلَ لِيْ مَا لَيْسَ لَكَ.''

''یعنی اگر واقعاً یہ خلافت تیرا ہی حق ہے اور خدا نے یہ تمہیں عطا کی ہے تو اس سے دوری اختیار کرنا اور ایک ایسے لباس کو اتار کر کسی دوسرے کے حوالے کر دینا کہ جو خدا نے تمہیں پہنایا ہے تمہارے لئے جائز نہیں ہے۔ اور اگر حکمرانی تیرا حق نہیں ہے اور نہ ہی تو اس کے لائق ہے تو پھر تمہیں کیا حق حاصل کہ تم ایک ایسی چیز میرے سپرد کرو جو تمہاری ہے ہی نہیں!''

ماموں نے کہا، آپ کو یہ تجویز ماننا پڑے گی:

امامؑ نے فرمایا: نہیں میں اپنی رضا اور رغبت سے یہ کبھی نہیں مانوں گا۔

خلیفہ نے کہا: اگر آپ حکومت قبول نہیں کرتے تو پھر میری ولیعہدی قبول کریں۔

امامؑ نے فرمایا:

''میرے آباء و اجداد نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ میں (امام رضاؑ) تم سے پہلے وفات پا جاؤں گا اور ظالم کے زہر سے قتل کر دیا جاؤں گا۔ زمین اور آسمان کے فرشتے مجھ پر گریہ کریں گے اور میں وطن سے دور

ہارون کے قریب دفن کیا جاؤں گا۔"

مامون نے کہا: جب تک میں زندہ ہوں کوئی آپ کا بال تک بیکا نہیں کرسکتا۔

امام نے فرمایا: اگر چاہوں تو اس شخص کا نام بھی بتا سکتا ہوں اور تمہیں اس کا تعارف بھی کروا سکتا ہوں۔

مامون نے کہا: یہ، بات ٹالنے کا ایک بہانہ ہے تاکہ آپ میری تجویز کو ٹھکرا سکیں۔ اور اس تجویز کو قبول نہ کرنے سے آپ کا یہ مقصد ہے کہ عوام آپ کو زاہد اور دنیا سے لاتعلق سمجھنے لگیں۔

امام نے فرمایا: کیا معلوم کہ یہ تجویز پیش کرنے سے تمہارا مقصد یہ ہو کہ لوگ مجھے دنیا پرست سمجھنے لگیں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کے اس برجستہ جواب پر مامون غضبناک ہوا اور اس نے کہا۔

خدا کی قسم! آپ ولی عہدی قبول فرمائیں گے یا پھر میرے لئے آپ کو یہ تجویز ماننے پر مجبور کرنے کے سوا دوسرا چارہ نہیں رہے گا۔[1]

مسلط کردہ ولیعہدی سے مامون کے مقاصد:

مامون کا یہ اصرار اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ وہ آپ کو ولیعہد قرار دے کر کچھ اہم مقاصد حاصل کرنا چاہتا تھا۔

تاریخی شواہد کی روشنی میں مامون کے خاص مقاصد کا خلاصہ یوں پیش کیا جاسکتا ہے:

۱۔ علویوں کی قیامیوں سے مخالفت کی شدت میں کمی کرنا۔

[1] عیون اخبار الرضا ج ۲، ص ۱۳۹

۲- مخالف حکومت تحریکوں کو مہار کرنا۔

۳- امام پر کڑی نظر رکھنا اور آپ کی سرگرمیوں کو کنٹرول کرنا۔

۴- امام کی مقدس شخصیت پر خدشہ وارد کرنا۔

۵- اپنی خلافت کو شرعی جواز بخشنا۔

۶- اور عوامی حمایت حاصل کرنا۔

مشکل ترین انتخاب:

اب حضرت امام علی بن موسٰی الرضا علیہ السلام نے اپنے سیاسی، علمی اور عقیدتی پس منظر میں، زندگی کے ایک انتہائی دشوار انتخاب کے مقام پر کھڑے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اگر آپ ولیعہدی قبول کرتے ہیں تو آپ کا یہ عمل نہ فقط خود آپؑ کے لئے بلکہ آپؑ کے پورے خاندان اور شیعوں کے لئے ایک ہلکا اور بے ارزش عمل شمار ہوتا ہے۔ لیکن اگر ولیعہدی قبول نہیں کرتے تو پھر نتیجہ کیا نکلے گا؟ آیا آپ کو قتل کر دیا جائے گا، آپؑ کے ماننے والوں کو نابود کر دیا جائے گا اور علویوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا؟ ہاں! یہ سب کچھ ممکن تھا۔ مامون سے پہلے کے عباسی خلفاء نے یہی راستہ اختیار کیا تھا۔

بہر حال، اب امامؑ کو کسی ایک راستے کا انتخاب کرنا ہی ہے جو لوگ خاندان رسالتؐ اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے طرز زندگی سے آشنا ہیں ان پر اس خاندان کی شہادت طلبی اور خداوند عالم سے ملاقات کا عشق آشکار ہے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ائمہ اطہار علیہم السلام کا کوئی اقدام بھی اپنی جان بچانے کی غرض سے نہ تھا۔ انہوں نے اگر کبھی سکوت اور صلح کا راستہ اپنایا تو فقط امت اسلام اور اپنے ماننے والوں کی مصلحت کی خاطر اپنایا۔ خاندان رسالتؐ کے لئے شہادت اور طولانی شکنجے برداشت

کرنا ابوسفیان کے بیٹے کے ساتھ صلح کرنے اور مامون کی ولیعہدی قبول کرنے سے کئی گنا آسان ہے۔ لیکن امام کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری پر عمل کرے اور اگر ضروری ہو تو ولیعہدی کا زہریلا جام منہ سے لگالے۔ امام کو یقین تھا کہ عنقریب انہیں شہید کر دیا جائے گا اور وہ مامون سے قبل دنیا سے رحلت فرمائیں گے۔ اس تلخ واقع کے بعد امام رضا علیہ السلام نے فرمایا۔

''خدایا! تو جانتا ہے کہ میں نے نہ چاہتے ہوئے اور مجبور ہو کر ولیعہدی قبول کی ہے۔ پس میرا مؤاخذہ نہ فرما، جیسا کہ تو نے اپنے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام کا مصر کی حکومت کی سرپرستی قبول کرنے پر مواخذہ نہ فرمایا تھا۔''۱

حضرت امام رضا علیہ السلام نہ فقط اپنی دعاؤں اور مناجات میں بلکہ ہر موقع پر، مختلف بیانات کے ذریعے مامون کی سازش کا پردہ چاک کرتے رہے۔ محمد بن عرفہ کا بیان ہے کہ میں نے امامؑ سے پوچھا کہ آپ نے ولیعہدی کیوں قبول کی ہے؟ امامؑ نے فرمایا:

''جو چیز میرے دادا حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی دوسرے خلیفہ کی شوریٰ میں شمولیت کا سبب بنی تھی وہی چیز میری ولیعہدی قبول کرنے کا سبب بنی ہے۔۲

یعنی جس طرح حضرت علی علیہ السلام نے مجبور ہو کر شوریٰ کی رکنیت اختیار کی تھی، میں بھی ناچاری کے عالم میں ولیعہدی

۱۔ بحار الانوار ج ۴۹، ص ۱۳۰؛ مسند الامام الرضاؑ ج ۱، ص ۴۹

۲۔ عیون اخبار الرضاؑ ج ۲، ص ۱۴۰؛ بحار الانوار ج ۴۹، ص ۱۴۰۔

قبول کی ہے۔"

دشمن کی سازش اور امامؑ کی تدبیر:

اگرچہ امام علی بن موسیٰ علیہ السلام نے مجبور ہو کر اور اسلام و مسلمین کے مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے ولیعہدی قبول کر لی، لیکن اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ آپؑ اپنی امامت اور منصب سے دستبردار ہو گئے، بلکہ آپؑ نے بھی اپنے سے پہلے کے معصوم اماموں کی طرح تقیہ کو اپنی بقاء، مناسب موقع کی تلاش اور صحیح افکار کی تبلیغ کا ذریعہ بنایا۔ آپؑ کا طرز زندگی اور اقدامات گواہ ہیں کہ آپؑ نے ہمیشہ خلافت کے غاصبوں کا چہرہ بے نقاب کرنے کے لئے ہر مناسب تدبیر اختیار کی۔ اگرچہ مامون نے اپنا عہد نامہ لکھا، محفل بپا کی، لوگوں سے آپؑ کی ولیعہدی کی بیعت لی، علویوں کے ساتھ ہمدلی کے جشن میں عباسیوں کے سیاہ لباس کو سبز لباس اور سبز پرچم میں بدل ڈالا، [1] اور امامؑ کے نام کا سکہ چھاپ کر سارے ملک میں پھیلا دیا۔[2] لیکن حضرت امام رضا علیہ السلام نے بھی ان سازشوں کے مقابلے میں ایسی تدابیر اختیار کیں کہ جن کا توڑ پیش کرنا مامون کے لئے نہ فقط دشوار تھا بلکہ اس کی ہر سازش (اس کے ہدف کے برخلاف) اہل بیت اطہار علیہم السلام کی عظمت اور عباسیوں کی بدحالی کا سبب بن گئی۔ امامؑ نے اس مقام پر جو تدابیر اختیار کیں ان کا خلاصہ کچھ اس طرح سے پیش کیا جا سکتا ہے:

۱۔ تاریخ طبری ج ۷، ۱۳۹

۲۔ الاغانی ج ۱۰، ص ۵۲

۱- آپؑ نے اپنے شیعوں اور اہل بیتؑ کو سیاسی اور اعتقادی مسائل کی خوب تعلیم دی۔

۲- آپؑ نے سابقہ ائمہ اطہار علیہم السلام کے مذہبی اور سیاسی طرز زندگی کی تائید کی اور اپنی زندگی میں بھی وہی طرز عمل اپنایا۔

۳- آپؑ نے اس انداز میں مدینہ چھوڑا کہ جس سے آپؑ کا اس سفر پر مجبور اور پریشان ہونا واضح ہو گیا۔ آپؑ اہل وعیال ساتھ نہ لائے، بلکہ جب مدینہ سے مرو کی طرف نکلنے لگے تو اپنے سب رشتہ داروں کو بلا کر انہیں ماتم بپا کرنے کو کہا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مطہر سے اس انداز سے الوداع کیا کہ جو آپؑ کی پریشانی اور مامون کا حکم ماننے پر مجبور ہونے کا بیانگر تھا۔

۴- نیشاپور میں آپؑ نے وہ تاریخی روایت بیان کی کہ جس میں اہل بیت اطہار علیہم السلام کی امامت اور رہبری کو کلمہ توحید کی شرط قرار دیا اور اس مسئلے کو واضح ترین شکل میں پیش کر دیا۔

۵- آپؑ نے مامون کی تجاویز کو رد کر دیا اور دو ماہ تک کے مذاکرات اور اصرار کے باوجود خلافت اور ولیعہدی قبول نہ کی۔ ۱

۶- آپؑ نے اپنی شہادت اور ولیعہدی سے فائدہ نہ اٹھانے کی واضح طور پر پیشگوئی کر دی۔

۷- جب آپؑ پر ولیعہدی مسلط کر دی گئی تو اس کے بعد ہمیشہ آپؑ کے چہرے پر غم واندوہ کے آثار دیکھے گئے اور آپؑ نے مختلف مواقع پر اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ ۲

۱- بحار الانوار ج ۴۹ ص ۱۳۴

۲- عیون اخبار رضا ج ۲ ص ۱۵، بحار الانوار ج ۴۹ ص ۱۳۰، الحیاۃ السیاسیہ للامام الرضا ص ۳۲۵

۸- آپؑ نے اس شرط پر ولی عہدی قبول کی کہ نہ تو کسی حکومتی کام میں دخالت کریں گے اور نہ ہی کسی کو نصب کریں گے اور نہ ہی عزل۔ آپؑ نے فرمایا:

"......وَ اَنَا اَقْبَلُ ذٰلِکَ عَلٰی اَنِّیْ لَا اُوَلِّیْ اَحَداً وَلَا اَعْزِلُ اَحَداً وَلَا اَنْقُضُ رَسْماً وَلَا سُنَّةً" ۱

اور میں یہ ولیعہدی اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ کسی کو کسی منصب پر نہ نصب کروں گا اور نہ ہی کسی منصب سے ہٹاؤں گا، اور نہ ہی کسی رسم ورواج کو توڑوں گا۔"

۹- آپؑ نے مدینہ سے مرو کے راستے میں اپنے طرز زندگی، معاشرتی رویئے اور لوگوں کے ساتھ میل جول کے ذریعے اور پھر خلیفہ کی طرف سے ولیعہد قرار دیئے جانے کے بعد ہمیشہ لوگوں کو عملی طور پر علم وعمل، زہد وتقویٰ اور اچھا اخلاق اپنانے کی دعوت دی۔

۱۰- مختلف مذاہب کے پیشواؤں کے ساتھ علمی مناظروں اور مباحثوں میں آپؑ کے علمی مقام کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔

۱۱- عیدالفطر کی نماز پڑھانے کے لئے آپؑ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق نکلے جس کا عوام اور حکومتی اہلکاروں پر بہت گہرا اثر ہوا۔

۱۲- آپؑ نے اپنے شیعوں کے ساتھ رابطہ استوار رکھا، ان کی راہنمائی کی اور ان کے سامنے مامون کے حقیقی چہرے کو بے نقاب کیا۔

آپؑ کی یہ تدبیریں، مامون کے تصور کے برخلاف، امامؑ کے لوگوں

۱- بحارالانوار ج ۴۹، ص ۱۴۰

میں پہلے سے زیادہ مقبول ہونے اور ان کے دلوں میں آپؑ کے گھر کر جانے کا سبب بنیں اور تھوڑی ہی عرصے میں مامون اپنی سیاسی چال چلنے سے مایوس ہو گیا۔ لہذا وہ امامؑ کی سرگرمیوں کو محدود کرنے اور حق کے آپؑ کو اپنے راستے سے ہٹانے کے درپے ہو گیا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کی سنت کے مطابق نماز عید کی ادائیگی۔

ولیعہد قرار دیئے جانے کے بعد کے اہم واقعات میں سے ایک واقعہ آپؑ کا عید الفطر کی نماز پڑھانے کے لئے عید گاہ کی طرف حرکت کرنا ہے۔ یہ واقعہ اس قدر اہم ہے کہ مامون نے اس واقعے پر اپنے ردعمل کا اظہار کیا اور جس راز کو وہ سینے میں چھپائے ہوئے تھا اس ردعمل سے اسے آشکار کر بیٹھا۔ اس واقعہ کے دو عینی گواہ یعنی یاسر خادم اور ریان ابن صلت اس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

''عید الفطر کا دن آ پہنچا، مامون نے بیماری کے سبب یا کسی اور وجہ [1] سے علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام کو پیغام بھیجا کہ نماز عید کی امامت فرمائیں۔ امام علیہ السلام نے ولی عہدی قبول کرتے وقت یہ شرط لگائی تھی کہ کسی بھی حکومتی کام میں دخالت نہیں کریں گے اور چونکہ نماز حکومتی اہتمام کے ساتھ پڑھائی جاتی تھی لہٰذا آپؑ نے نماز عید پڑھانے سے انکار کر دیا۔''

مامون نے امام علیہ السلام کو یہ پیغام بھیجا کہ میں نے یہ تجویز آپؑ کے

۱۔ کشف الغمہ ج ۳، ص ۸۷/ الفصول المہمۃ ص ۲۶۰

سامنے اس لئے رکھی ہے تاکہ آپ کی ولیعہدی کو مستحکم کردوں اور مطمئن ہوجاؤں کہ آپ نے ولیعہدی قبول کی ہے۔اس کے علاوہ میری یہ بھی خواہش ہے کہ لوگ آپ کی فضیلت اور برتری سے آگاہ ہوجائیں۔

جب خلیفہ کا اصرار بڑھا تو امام نے اس شرط پر یہ تجویز مان لی کہ آپ یہ نماز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق پڑھائیں گے ۔مامون نے یہ شرط مان لی اور حکم دیا کہ کل صبح درباری اہلکار، فوجی افراد اور عوام سبھی امامؑ کے گھر کے سامنے جمع ہوجائیں اور جب امامؑ کے گھر سے نکلیں تو عیدگاہ تک ان کے ساتھ ساتھ چلیں۔

اگلی صبح لوگ امامؑ کے گھر کے پاس اور عیدگاہ کے راستے میں کھڑے ہوگئے اور کچھ لوگ تو امامؑ کو ان کی نبویؐ سیرت اور علوی ہیبت دیکھنے کی غرض سے اپنے مکانوں کی چھتوں پر آ کھڑے ہوئے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کچھ اس نداز میں گھر سے نکلے کہ خوشبو سے معطر تھے، کندھوں پر عبا تھی، سر پر کتان کا عمامہ تھا، ہاتھ میں عصا تھا اور ننگے پاؤں بڑے وقار اور سکون کیساتھ عیدگاہ کی طرف قدم بڑھا رہے تھے۔آپ کی تکبیر کے ساتھ ساتھ لوگوں کی تکبیروں کی صدائیں بھی گلیوں کوچوں میں گونج رہی تھیں۔حکومتی اہلکار جو گھوڑوں پر سوار تھے، امامؑ کے احترام میں گھوڑوں سے نیچے اترے اور سبھی نے اپنے اپنے پاؤں سے جوتے اتار دئے۔ایک طرف تکبیر کی صدائیں بلند تھیں تو دوسری طرف لوگوں کے اشک شوق رواں تھے۔اس حالت نے مرو کے شہر میں ایک ایسا منظر قائم کردیا کہ جس کی کوئی مثال سابق میں موجود نہ تھی۔

فضل ابن سہل نے جب بدلتے ہوئے حالات کا مشاہدہ کیا تو خلیفہ کے پاس آیا اور مامون کو ان حالات اور ممکنہ خدشات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ اگر امام اسی انداز سے بڑھتے رہے اور آپ نے عید کی نماز پڑھائی تو لوگوں پر ان کا اتنا گہرا اثر ورسوخ ہو جائے گا کہ خلیفہ کا مقام ان کی نظروں سے گر جائیگا اور وہ علی ابن موسیٰ علیہ السلام کے دلدادہ ہو جائیں گے۔

مامون نے فوراً حکم دیا کہ آپ کو واپس بلا لیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ۱

گھر کی طرف لوٹتے ہوئے امام علیہ السلام نے بڑے ہی کربناک انداز میں یہ دعا کی:

''اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ فَرَجِیْ بِالْمَوْتِ فَعَجِّلْ لِیَ السَّاعَةَ'' ۲

یعنی خدایا! اگر میری اس حالت سے رہائی میری موت میں مضمر ہے تو اس میں تعجیل فرما۔

مامون اپنی سازشوں کے گرداب میں:

ابتدا میں تو مامون اپنی سیاسی چالوں پر خوش تھا لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد امامؑ کے اس فرمان کے مطابق کہ ''لَا تَسْتَبْشِرُوْا فَاِنَّهٗ شَیْءٌ لَا یَتِمُّ ۳'' یعنی خوش مت ہو کیونکہ تمہاری یہ چال انجام کو نہ پہنچے گی، مامون کی ان سیاسی چالوں کا نتیجہ ایسا نکلا کہ جس کی خود اسے توقع نہ تھی اور اس نے خود کو اس جال میں پھنسا پایا جو اس نے خود حضرت امام رضا علیہ السلام کو

۱۔ عیون اخبار الرضا ص ۱۵۱۔ ۱۵۰/ کشف الغمہ ج ۳، ص ۱۰۷ و ۱۰۶

۲۔ بحار الانوار ج ۴۹ ص ۱۳۰ ۳۔ الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضا علیہ السلام ص ۳۳۵

پھنسانے کے لئے بچھایا تھا۔ ہر علمی محفل میں امام ؑ کی بات، فیصلہ کن بات ہوتی اور علماء و دانشور حضرات آپؑ کی انتہائی عمیق اور حیران کن علم سے واقف ہو چکے تھے۔ عوام جو ہر روز آپؑ کے معنوی اور اخلاقی مقامات کا مشاہدہ کرتے تھے آپؑ کے زیادہ سے زیادہ عقیدت مند بنتے جا رہے تھے۔ عوام، علماء اور حکومتی عہدیدار، جب امام کے علم، معنویت، اخلاق اور فضائل کا مامون کی شخصیت اور اس کے شہنشانہ طرز زندگی سے مقایسہ کرتے تو اس نظریے پر پہنچتے کہ امامؑ ہر لحاظ سے منصب خلافت کے لئے برتر اور شائستہ ہیں۔

مامون کے سیاسی طرز عمل میں تبدیلی:

مامون نے بغداد کا سفر اختیار کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن اسے جو سوال درپیش تھا وہ یہ تھا کہ اپنے سے ناراض عباسیوں کے لئے کونسا تحفہ لے کر جائے؟ آیا اس کی فوجی قوت کا زور انہیں راضی کرسکتا تھا یا اسے اور کوئی حربہ اپنانا چاہیے تھا۔

بنیادی طور پر مامون سیاسی حربوں کو زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ وہ بخوبی آگاہ تھا کہ جب تک عباسیوں کو یہ اطمینان حاصل نہ ہو جائے کہ خلافت جو ان کے لئے مال و دولت اور قدرت و اقتدار کا وسیلہ ہے، ان کے ہاتھ سے نہیں جائے گی۔ لہٰذا اس کے سامنے ایک ہی راستہ تھا اور وہ یہ کہ کسی طرح حضرت امام رضا ؑ کی ولیعہدی کے معاملے کو ختم کردے۔ لیکن کس طرح؟

آیا امامؑ کو ولیعہدی سے ہٹا کر لوگوں سے اس عوامی سطح پر لی جانے والی بیعت کو نظر انداز کیا جا سکتا تھا؟ اگر وہ ایسا کرتا تو عوام کا کیا رد عمل ہوتا! اور اگر ایسا کیا جاتا تو خاندان عباسی راضی ہو جاتے لیکن علوی،

شیعہ، اہل بیت علیہم السلام کے محب اور حکومت سے ناراض دیگر گروہوں کا ردِ عمل کیا ہوتا؟

نئی سیاست کی راہ میں پہلا قدم:

مامون نے اپنی نئی سیاست کا آغاز، امامؑ کو عید الفطر کے موقع پر عیدگاہ کے راستے سے واپس بلا کر کیا۔ ہاں! اس کی یہ حرکت امام کو قتل کرنے کی سیاست نہ تھی۔

مامون کا وزیر اور اس کے لشکر کا سپہ سالار، فضل ابن سہل، سب سے پہلے اس نئی سیاست کی بھینٹ چڑھا۔ فضل ابن سہل، مامون کے بغداد کے سفر کے انتظامات کی غرض سے مرو سے سرخس آیا اور سرخس پہنچ کر نہانے کی غرض سے حمام میں داخل ہوا۔ مامون کے لشکر کے چار مسلح افراد نے گھات لگا کر اس پر حملہ کیا اور یوں فضل ابن سہل کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔1

مامون نے یہاں سیاستدانوں کی ہمیشہ کی چال چلی اور عوام کو فریب دینے کی خاطر سہل کے قاتلوں کی گرفتاری کے لئے اپنے کارندوں کو چوکس کر دیا۔ ساتھ ہی اس نے قاتلوں کو گرفتار کرنے والوں کے لئے خاطر خواہ انعام بھی مقرر کر دیا۔2

عباسی خاندان فضل ابن سہل کو خلافت علویوں کے حوالے کرنے کا اصل مجرم تصور کرتے تھے۔ اس کا قتل امید کی وہ پہلی کرن تھی جو مامون نے اپنے رشتہ داروں کے دل میں جلا دی تھی۔

1- تاریخ طبری ج ۷، ص ۱۴۸

2- ایضاً

نئی سیاست کی راہ میں دوسرا قدم:

فضل ابن سہل کا سیاسی منظر سے ہٹ جانا یقیناً عباسیوں کے لئے امید کی کرن تھی لیکن فقط یہی کافی نہ تھا، کیونکہ ان کی اصل پریشانی حضرت امام رضا علیہ السلام کی ولیعہدی تھی۔ یہ معاملہ کس طرح ان کے حق میں حل ہونا چاہئے تھا۔ امام علیہ السلام کے ہوتے ہوئے مامون کی ہر چال بے سود تھی لہٰذا اس کی نظر میں فقط ایک ہی راہ حل باقی رہ گیا تھا اور وہ یہ کہ امام علیہ السلام کو اپنے راستے سے ہٹادے، لیکن کیسے؟

آیا وہ امام علیہ السلام کو اعلانیہ طور پر قتل کرسکتا تھا؟ آیا یہ کام اس کے حق میں جاتا؟ آیا وہ امام علیہ السلام پر حکومت سے خیانت کی تہمت لگا سکتا تھا یا امام علیہ السلام کے قتل کے لئے بھی وہی حربہ استعمال کرسکتا تھا جو اس نے فضل ابن سہل کے قتل کے لئے استعمال کیا تھا؟ لیکن مامون کے لئے ان طریقوں کا استعمال کرنا ممکن نہیں تھا۔

اگر چہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ مامون اس مرحلے پر کیا قدم اٹھائے گا، لیکن بہت سے سیاسی تجزیہ نگاروں اور خود مامون کے لئے چند باتیں بڑی واضح تھیں اور وہ یہ کہ:

۱- ولیعہدی کی مشکل سے نجات حاصل کرنے کیلئے امامؑ کو راستے سے ہٹادیا جائے۔

۲- امام علیہ السلام کے قتل سے مامون کے دامن کو پاک رکھا جائے۔

۳- امام علیہ السلام کے قتل سے بھرپور طریقے سے نیا سیاسی فائدہ اٹھایا جائے۔

ہاں! مامون یہ بھی چاہتا تھا کہ یہ سب کچھ اس کے بغداد پہنچنے سے پہلے ہی وقوع پذیر ہوں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت

مامون جس مختصر عرصے کے دوران توس میں مقیم رہا، اس عرصے میں اس نے ایک بہت بڑی سازش کو عملی جامہ پہنایا اور اپنے مخصوص انداز میں حضرت امام رضا علیہ السلام کو زہر دیدی۔ اور اس طرح امام علیہ السلام شہادت کے رتبے پر فائز ہو گئے۔

ظاہری بات ہے کہ مامون جیسا چالاک انسان جس نے اپنی حکوم کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے بے شمار حربے استعمال کئے تھے، حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کی شہادت کی ذمہ داری، کھلے بندوں اپنے سر نہیں لے سکتا تھا۔ بلکہ اس کی پوری کوشش یہ تھی کہ اس ہولناک طوفان کی گرد و خاک بھی اس کے دامن پر نہ بیٹھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے خود کو صاحب عزا ظاہر کرتے ہوئے صف ماتم بچھا دی۔

آیا جب حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام، اتنی طولانی قید اور طاقت فرسا شکنجوں کے بعد، زندان ہی میں شہید ہوئے تھے تو کیا ہارون نے یہ بھرپور کوشش نہیں کی تھی کہ امام علیہ السلام کی شہادت کو عام موت کے طور پر پیش کیا جائے؟ آیا مامون، اسی باپ کا بیٹا نہ تھا اور نہ جانتا تھا کہ حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کے بیٹے کے خون کی ذمہ داری اپنے سر لینا اس کی حکومت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دے گا؟ یہی وجہ تھی کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہارت کے بعد، مامون نے پوری کوشش کی کہ لوگوں کی

نظروں میں امام علیہ السلام کے قتل کی ذمہ داری اس کے سر نہ آئے۔

جناب ابوصلت ہروی سے پوچھا گیا کہ مامون جو امام علیہ السلام کا اس قدر احترام کرتا تھا کہ اس نے آپ کو ولیعہد بنایا، کیسے راضی ہوا کہ امام علیہ السلام کو قتل کردے؟ جناب ابوصلت نے حضرت امام رضا علیہ السلام کے خلیفہ کے ہاتھوں قتل ہونے کی تائید کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر خلیفہ امام علیہ السلام کا احترام کرتا تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ امام علیہ السلام کی برتری سے آگاہ اور آپ کی فضیلت کا معترف تھا۔ اور اگر اس نے امام کو ولیعہد بنایا تو یہ اس لئے کہ آپ کو دنیا پرست ثابت کر سکے اور یوں آپ سے لوگوں کی عقیدت میں کمی آجائے۔ اگرچہ اس کا یہ ہدف پورا نہ ہوا اور امام نے علمی محفلوں میں سب پر اپنی علمی شخصیت اور مقام کو برملا کردیا اور یوں خلیفہ کی حیثیت آئے دن کم ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ ہر دوست اور دشمن، امام کو خلافت کے زیادہ لائق سمجھنے لگا۔ یہی وہ حقیقت تھی جو خلیفہ پر گراں گزری اور اس کے دل میں امام علیہ السلام کے خلاف کینہ اور دشمنی بھڑک اٹھی۔ بالآخر اس نے ایک چال چلائی اور امام کو زہر دے کر شہید کردیا۔[۱]

حضرت امام رضا علیہ السلام کی مامون کے ہاتھوں شہادت، مظلومیت کا وہ باب تھا جس کا اہلبیت اطہار علیہم السلام اور ان کے شیعوں کی تاریخ میں

۳- بحار الانوار ج ۳۹ ص ۲۹۰۔ اس حوالے سے کہ امام علیہ السلام کو قتل کرنے سے خلیفہ کا ہدف کیا تھا اور نظریے بھی پیش کئے گئے ہیں۔ البتہ ان سب نظریوں کا نتیجہ ایک ہی ہے۔ مزید اطلاعات کے لئے درج ذیل کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ (۱)- الشیعہ فی التاریخ ص ۶۹ (۲)- عصر المامون ص ۳۶۷ (۳)- تاریخ الشیعہ ص ۵۳ (۴)- کشف الغمہ ج ۳ ص ۳۹۹

اضافہ ہوا۔ یہ شہادت وہ مرثیہ تھا جس کا آزاد منش اور حقیقت پسند شعراء کے کلام میں اضافہ ہوا اور یہ وہ داستان تھی جو مبارزہ و جہاد کی داستانوں میں رقم کر دی گئی۔ ۱

تاریخ کی کتابوں میں ان مسلح قیاموں کا ذکر موجود ہے جو آپؑ کی شہادت کے بعد، آپؑ کی خون طلبی کے عنوان سے برپا ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت امام رضا علیہ السلام کے بھائی جناب احمد ابن موسیٰ تقریباً تین ہزار اور ایک روایت کے مطابق تقریباً بارہ ہزار جنگجوؤں کے ہمراہ آپؑ کے خون کا انتقام لینے کی غرض سے بغداد سے نکلے اور شیراز میں عباسی حکومت کے لشکر سے ٹکرائے۔ جناب احمد ابن موسیٰ اور ان کا بھائی محمد عابد اسی معرکہ میں شہید ہوئے۔ ۲

حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت، روایات کی روشنی میں:

جناب ابوبصیر، حضرت امام صادق علیہ السلام سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

"ایک دن میرے بابا نے جابر ابن عبد اللہ انصاری کو بلایا اور ان سے پوچھا: "یَا جَابِرُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ اللَّوْحِ الَّذِیْ رَأَیْتَهٗ فِیْ یَدِ اُمِّیْ فَاطِمَةَ " (یعنی اے جابر مجھے اس لوح کے بارے میں بتاؤ جو تم نے میری ماں فاطمہ علیہا السلام کے ہاتھوں میں دیکھی تھی۔)

جابر نے کہا: میں جناب حسین بن علی علیہ السلام کی ولادت

۱۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۴، ص ۳۷۴

۲۔ قیام سادات علوی ص ۱۲۹

پر مبارکباد کے لئے آپ کی ماں، جناب فاطمہ علیہا السلام کی خدمت میں حاظر ہوا۔ میں نے ان کے ہاتھ میں زمرد کی مانند ایک سبز لوح دیکھی۔ اس لوح کے بارے میں میرے استفسار پر جناب فاطمہ علیہا السلام نے فرمایا: یہ وہ تحفہ ہے جو میرے بابا کو خداوند متعال کی طرف سے ملا ہے۔ اس میں میرے بابا، میرے شوہر، میری اولاد اور میری نسل سے آنے والے اماموں کے نام درج ہیں۔ میرے بابا نے مجھے خوشخبری دینے کے لئے یہ تحفہ مجھے دے دیا ہے۔"

اس لوح کی عبارت کا وہ حصہ جس میں آٹھویں امام علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے، یوں ہے:

"یَقْتُلُهُ عِفْرِیتٌ مُسْتَکْبِرٌ [1] "یعنی انہیں ایک خودخواہ اور متکبر دیو قتل کر دے گا۔

۲۔ طریحی، "خد" کے بارے میں جناب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث نقل کرتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"تُقْتَلُ حَفَدِیْ بِاَرْضِ خُرَاسَانَ" [2]

یعنی میرا ایک نواسہ خراسان کی سرزمین قتل کیا جائے گا۔

۳۔ حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"میرے بیٹے، موسیٰ علیہ السلام کی نسل سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام امیر المومنین علیہ السلام کا نام ہوگا۔ وہ طوس، جو کہ خراسان میں ہے، کا سفر

۱۔ عیون اخبار الرضا علیہ السلام ج ۱، ص ۴۲-۴۴ پر یہ روایت تفصیل سے درج ہے۔

۲۔ مجمع البحرین ج ۳، ص ۳۸

اختیار کرے گا جہاں اسے زہر دے کر شہید کر دیا جائے گا۔ ۱

۴- خود حضرت امام رضا علیہ السلام سے ایک روایت میں آیا ہے:

''خدا کی قسم! ہم میں سے کوئی بھی شہادت کے علاوہ کوئی اور موت نہیں مرا۔''

جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کون شہید کرے گا؟ تو فرمایا:

''میرے زمانے کا بدترین انسان مجھے زہر دے کر قتل کرے گا'' ۲

امام علیہ السلام اور مامون کی وہ گفتگو جس کا پیچھے تذکرہ ہو چکا ہے، اس میں امام کی جانب سے ولیعہدی قبول نہ کرنے کی ایک وجہ آپ کے بقول یہ تھی کہ:

''میرے بابا نے میرے اجداد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میرے دادا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے بارے میں ایک پیشگوئی فرمائی تھی جس کی روشنی میں (اے مامون!) میں تجھ سے قبل مظلومانہ طور پر، زہر کے ذریعے شہید کر دیا جاؤں گا! اور اگر مجھے اجازت ہوتی تو تمہیں بتاتا کہ میرا قاتل کون ہوگا۔ ۳

۱- عیون اخبار الرضا علیہ السلام ج ۲، ص ۲۵۵

۲- ایضاً ص ۲۵۶ / ۳- ایضاً ج ۲، ۱۴۰

سورج بادلوں کے پیچھے

بعض روایات میں دینی پیشواؤں اور ائمہ اطہار علیہم السلام کو سورج سے تشبیہ دی گئی ہے، حضرت امام علی بن موسی الرضا (علیہ السلام) فرماتے ہیں:

اَلامامُ کَالشَّمسِ الطَّالِعَةِ لِلعَالَمِ. ۱

یعنی امام کی مثال اس سورج کی سی ہے جو دنیا کو اپنے نور سے منور کر دیتا ہے۔

ایک اور روایت میں حضرت علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) فرماتے ہیں:

,,اَلامَامُ دَلِیلٌ لِلقَاصِدِینَ وَ مَنَارٌ لِلمُهتَدِینَ وَ سَبِیلُ السَّالِکِینَ وَ شَمسٌ مُشرِقَةٌ فِی قُلُوبِ العَارِفِینَ،، ۲

یعنی امام (خدا اور خدا کی رضا کے حصول کا) عزم کرنے والوں کے لئے راہنما، راہ ہدایت پر نکلنے والوں کے لئے روشنی کا مینار، حق کے راہیوں کیلئے صراط مستقیم اور اہل معرفت کے قلوب میں چمکتا سورج ہوتا ہے۔

امام کو سورج سے تشبیہ دینا کئی پہلوؤں اور پیغاموں کا حامل ہے کہ جن میں سے بعض کی طرف یوں اشارہ کیا جا سکتا ہے:

۱- بحار الانوار ج ۲۵، ص ۱۲۳

۲- بحار الانوار ج ۲۵، ص ۱۶۷

۱۔انسان اپنی حرکت وحیات کے لئے ضروری توانائی سورج کی روشنی کے پرتو ہی میں حاصل کرتا ہے؛ سورج ہی کی روشنی میں سیدھے راستے اور انحراف کا فرق سمجھتا ہے اور بصیرت وآگاہی کے ساتھ سیدھا راستہ طے کرتا ہے۔ائمہ اطہار علیہم السلام بھی چونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی وارث ہیں،ان کا علم،معنویت،معرفت اور اخلاق،خدا کی طرف سے الہام کی روشنی میں اخذ کردہ ہے اور خدا اور رسول خدا نے انہیں ایک اسوۂ زندگی،معلم اور قرآن کریم کا ہمیشہ ساتھی قرار دیا ہے لہذا انہوں نے ہر زمانے میں لوگوں کو نیکی کا راستہ دکھایا ہے اور خداوند متعال کی معرفت کے حصول،قرآن کو سمجھنے اور زندگی کے راستے کا انتخاب کرنے میں،ان کی فکری راہنمائی فرمائی ہے۔

۲۔جس طرح سورج کبھی برملا نور افشانی کرتا ہے اور کبھی بادلوں کے پیچھے چھپ کر دنیا میں اُجالا پھیلاتا ہے،معصوم امام بھی اسی طرح اپنی دنیاوی زندگی میں تو لوگوں کی براہ راست راہنمائی کرتے اور اپنے وجود کے لطف سے انہیں فیضیاب فرماتے ہیں اور جب اس دنیا سے آنکھ بند کرلیں اور ظاہری زندگی کو الوداع کہہ دیں تو پھر بھی ایک طرف تو ان کی علمی،عرفانی اور اخلاقی باقیات،لوگوں کی راہنمائی کرتی ہیں اور دوسری طرف ان کا نام،یاد اور نورانی بارگاہ ہیں،مسلمانوں کے دینی اور ایمانی جذبے کی بلندی اور ان کے اور خداوند عالم،قرآن کریم اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے درمیان گہرے رابطے کا سبب بنتی ہیں۔

بنا برایں،دنیاوی زندگی کے دوران امام کی مثال اس سورج کی سی ہے جو برملا چمکتا اور امید اور روشنی بخشتا ہے اور جب امام،پردۂ غیبت

میں چلا جائے یا ظاہری زندگی کو الوداع کہدے تو پھر اس کی مثال اس سورج کی ہوتی ہے جو بادلوں میں چھپ کر بھی تاریکیوں کو مٹاتا، بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھاتا اور مایوس لوگوں کو خداوند عالم کے لطف اور عنایت کی نوید سناتا ہے،

حضرت امام علی بن موسٰی الرضا (علیہ السلام)، اگر چہ ۲۰۳ھ میں، شہادت کے پھوٹنے پر ابدی نیند سو گئے اور مامون نے یہ سمجھا کہ اس نے جو حربہ استعمال کیا ہے اس کی وجہ سے لوگ آپؑ کی کرامتوں، علم اور معنویت کے سرچشمے سے دور ہو جائنگے، لیکن چونکہ امام (علیہ السلام) کے علم اور معنویت کا دریا، نبوت کے منبع اور لطف الٰہی کے سرچشمے سے نکلتا تھا لہٰذا مامون جیسا کوئی شخص بھی اپنے کمزور حربوں کے ذریعے نورانیت کے اس دریا کے آگے بند نہیں باندھ سکتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ آپؑ کی شہادت کے کئی صدیاں گذر جانے کے بعد بھی، آپؑ کا نورانی حرم، ہمیشہ ایمان والوں اور اہل معرفت کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ آپؑ جیسے مہربان امام کے محبت آمیز فرامین سے لوگ، توحید، معنویت اور اخلاق کا درس لیتے ہیں۔ آپؑ کے مبارک حرم میں پہنچ کر، ان کے ہوا و ہوس کے جالوں میں اسیر دل کو رہائی ملتی ہے اور وہ آپؑ کو گناہوں اور دوزخ کی آگ سے چھٹکارے کا ضامن بناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؑ کو، شَمسُ الشُّمُوس، یعنی سورجوں کا سورج، اور، اَنِیسُ النُّفُوس یعنی دلوں کا ہمدم، کا لقب حاصل ہے،

آپؑ کا حرم سبھی دلوں کا سہارا، اور اس حرم کی نورانیت، بھٹکے ہوئے انسانوں کے لیے روشنی کا مینار ہیں۔ لوگ اس زمانے کی تاریکی اور زندگی کی تیرگی میں اس امید کے سہارے، دور دراز کے علاقوں سے

رخت سفر باندھ کے نکلتے ہیں کہ شاید آپؑ کے حرم کے کسی ایوان میں، اس یوسف مصطفیٰؐ کے لطف کا پیراہن، ان کی اندھی آنکھوں کو خدا کی معرفت کی بصارت سے بینا کر دے اور ممکن ہے آپؑ ان کے حق میں اس طرح دعا فرمادیں کہ جس طرح جناب یعقوبؑ نے اپنے بیٹے کے حق میں دعا فرمائی تھی اور یوں شرم سے ان کے جھکے سروں کو ناامیدی اور مایوسی کے بوجھ سے نجات مل جائے اور ان کے دلوں پر پڑی گناہوں کی گرد وخاک اور آلودگی چھٹ جائے۔

امامؑ کا حرم اہل دل کا قبلہ:

حضرت امام رضاؑ کا حرم بھی، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر ائمہ اطہار علیہم السلام کی بارگاہوں کی طرح، خداوند عالم کی یاد، عبادت اور بندگی کے لئے ایک انتہائی مناسب مقام ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

,,فِی بُیُوتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ،،[1]

یعنی ایسے گھروں میں کہ جہاں خدا نے اپنے نام کے بلند ذکر کی اجازت دی ہے؛ اور خدا کے ذکر کے شایان شان گھر وہ ہے جو پاک ہو۔[2] اور خداوند عالم کا ارادہ یہ ہے کہ اہلبیت اطہار علیہم السلام ہر گناہ سے پاک رہیں[3] ان آیات کی روشنی میں ائمہ اطہار علیہم السلام کا گھر ان کی بارگاہ میں، انسان کے روح کی بلندی اور اس کے خدا کے ساتھ ارتباط

۱۔النور، ۳۶

۲۔الحج: ۲۶

۳۔احزاب ۳۳

کے لئے، ایک بہترین مقام ہیں۔ اور جو لوگ اپنی مادی اور معنوی مشکلات لاکر ان کی بارگاہ لیں پیش کرتے ہیں، انھیں دلی سکون ملتا ہے اور ان کی لطف خدا کے حصول کی امید بندھ جاتی ہے:

,,اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ،، ۱

یعنی، ہاں خدا ہی کی یاد سے دلوں کو آرام وسکون ملتا ہے،

ائمہ طاہرین علیہم السلام، خداوند عالم کی بندگی اور اطاعت کا مظہر ہیں۔ ان کا کردار و گفتار، خداوند عالم کی رضا و رغبت اور ارادے کی یاد دلاتا ہے۔ ان کا جینا اور مرنا خدا کے لئے ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کے حرم، خداوند عالم کی یاد اور انسان کے خدا کے ساتھ رابطے کا سبب ہیں۔ یہاں آکر انسان کو لطف الٰہی سے فیضیاب ہونے کا احساس ہوتا ہے اس کی پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں، اس کے دل کو آرام وسکون ملتا ہے، اس کی تھکی اور درماندہ روح کو راحتی حاصل ہوتی ہے اور مریض بدن کو صحت وسلامتی عطا ہوتی ہے، ہاں! اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ امام، یہ سب کچھ خداوند عالم کے لطف و عنایت کے طفیل عطا کرتے ہیں اور خدا کے اذن و ارادہ سے کسی کی گرہ گشائی کرتے ہیں حضرت امیر المومنین (علیہ السلام)، ائمہ اطہار علیہم السلام کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

,,اَلاِمَامُ اَلْمَاءُ الْعِذْبُ عَلَی الظَّمَاءِ وَ الدَّالُّ عَلَی الْھُدیٰ ...... مُفْزِعُ الْعِبَادِ فِی الدَّوَاھِی، ۲ یعنی، امام، پیاس میں گوارا پانی، ہدایت کا چراغ...... اور مشکلات اور مصیبتوں میں خدا کے بندوں کی پناہ گاہ ہوتا ہے۔

۱- الرعد ۲۸ ۲- بحار الانوار ج ۲۵، ص ۱۲۰-۱۲۷

زیارت، طلب کی جستجو میں ایک قدم

جب کبھی بھی ایک مسافر، کسی معصوم امام کی زیارت کا قصد دل میں لئے، رخت سفر باندھتا اور سفر کی منزلیں طے کرتا ہے تو دراصل، کسی نہ کسی آرزو، حاجت یا علم و معرفت کے حصول کے در پے ہوتا ہے۔

اگرچہ اہل بیت رسول علیہم السلام کے فیض کے دروازے سب پر کھلے ہیں اور ان کی مہمان نوازی کا دسترخوان سب کے لئے بچھا ہوا ہے، یہاں تک کہ غیر مسلم بھی ان کی معنویت اور محبت سے مستفید ہوتے اور آپ کے عشق کے گن گاتے ہیں، لیکن جن لوگوں کو اس خاندان کی گہری معرفت حاصل ہے اور جو ان کی ولایت و امامت کا اقرار کرتے ہیں، اس خرمن لطف کے اصلی خوشہ چین وہی ہیں، شاید ہی کوئی ایسا شیعہ اور محبِ اہل بیت اطہار علیہم السلام ہوگا جو فقط علم کلام کی حد تک آپ کی معرفت رکھتا ہوگا لیکن اس نے اپنی ذاتی زندگی میں ان ہستیوں سے کبھی رابطہ نہ رکھا ہوگا۔

زوار کوئی بھی ہو، کہیں سے ہو اور اس کی حاجت کچھ بھی ہو، جب حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کے حرم میں داخل ہوتا ہے تو آپ کے آستان مقدس کے بڑے بڑے دروازوں کے ساتھ چمٹ کر ضریح اقدس کی طرف منہ کر کے، دل کی گہرائیوں سے آپ کے ساتھ راز و نیاز کرنے لگتا ہے۔

ہاں! کچھ لوگ آہستہ آہستہ، کچھ بلند آواز، کچھ ظاہری آداب و رسوم کے ساتھ اور کچھ گریہ وزاری کے ساتھ امام علیہ السلام کے ساتھ گفتگو کرنے میں اس قدر کھو جاتے ہیں کہ گویا ان کے اور امام علیہ السلام کے علاوہ کوئی تیسرا شخص ان کی گفتگو نہ سن رہا ہو۔

کتنے ہی ایسے عارف اور سالک ہیں کہ جن کی آنکھ اسی حرم میں کائنات کے حقائق سے آشنا ہوئی! اور کتنے ہی ایسے آرزومند ہیں کہ جو ابھی امامؑ کے ساتھ راز و نیاز سے فارغ ہی نہ ہوئے تھے کہ ان کی آرزو پوری کردی گئی! کتنے ہی درد مند ہیں جنہیں یہاں سے شفا ملی ہے! اور کتنے ہی ایسے گناہگار ہیں جنہوں نے اس حرم کی معنویت کی برکت سے نہ فقط گناہوں سے توبہ کر لی ہے بلکہ ہمیشہ کے لئے نیکیوں کے ساتھ عہد وفا باندھ لیا ہے! اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ یہ سب کچھ ان کے دلوں کا راز بن کر رہ گیا ہے اور زائرین کے اتنے بڑے ہجوم میں، کسی کو ان کی اس راز کی خبر تک نہیں ہو سکی۔ ہاں! ایسے سربستہ رازوں کے انبار پر فقط ایک ہی دلیل موجود ہے اور وہ عقیدتمندوں کی اس حرم میں وہ حاضری ہے کہ جس کی خاطر وہ قرض تک بھی لے لیتے ہیں لیکن یہاں پہنچ کر امام علیہ السلام کی خدمت میں نذرانہ عقیدت ضرور پیش کرتے ہیں۔

معرفت کا سلام

ایک معصوم امامؑ کی زیارت، اس وقت حقیقی قدر و قیمت رکھتی ہے جب معرفت کے ساتھ بجالائی جائے۔ نہ فقط زیارت، بلکہ ہر وہ عمل جس پر ثواب ملتا ہے یا اس عمل کی کوئی قدر و قیمت ہے

صرف اسی صورت میں قابل قبول ہوتا ہے جب آگاہی، معرفت اور فہم و بصیرت کی روشنی میں انجام پایا ہو۔

بنابراین، حقیقی زائر وہ ہے جو درج ذیل سوالوں کے صحیح جوابات سے آشنا ہو:

۱- امام کون ہے؛ اور اس کے برحق ہونے کی دلیل کیا ہے؟

۲- امامؑ کی شخصیت، لوگوں کی معنوی اور معاشرتی زندگی میں کیا کردار ادا کرتی ہے؟

۳- آیا امام کا کام، فقط بیماروں کو شفا دینا، مشکلات کو حل کرنا اور حاجات پوری کرنا ہے؟ یا امام ایک اسوۂ زندگی اور ایسا الٰہی معلم ہے کہ جو سب سے پہلے انسان کو خدا اور خدا کا مقرر کردہ شرعی حدود سے آشنا کرتا ہے؟

۴- امام کو اتنا بلند معنوی مقام و مرتبہ کیوں دیا جاتا ہے اور کون امام کو یہ مرتبہ عطا کرتا ہے؟

۵- امام کی اپنے زائرین، عقیدتمندوں اور محبوں سے کیا توقع ہے؟ اور اہل اطہار علیہم السلام کے ایک سچے محب کا عمل، کردار اور طرز تفکر کیسا

ہونا چاہئے؟

اگر امام علیہ السلام کے محبوں اور عقیدتمندوں کے پاس ان سوالات کا جواب نہ ہو اور انہوں نے اس حوالے سے کبھی سوچ وبچار نہ کیا ہو، تو ان کا اظہار محبت اور دوستی کا دعویٰ محکم نہیں ہے؛ اور ان کے اس دعوے پر جو آثار مرتب ہونا چاہئے وہ مرتب نہ ہوں گے۔ اگرچہ امام کی عظمت اور مہربانی کے طفیل، جاہل اور کم معرفت لوگ بھی ان کی عنایت اور لطف کے دریا سے سیراب ہو جاتے ہیں، لیکن ایسے کم معرفت انسان کو چاہئے کہ وہ زیادہ سے زیادہ معرفت کے حصول کے درپے ہو جائے، اپنی سوچ اور عمل کو پاک کرے اور عالم ہستی کے واحد خدا کا مقرب بندہ بن جائے۔

امام کی شناخت

بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جو خود کو اہل بیت اطہار علیہم السلام کی ولایت اور امامت کا معتقد سمجھتے ہیں، لیکن انہیں امام کے بارے میں ذرہ برابر بھی علم اور آگاہی نہیں ہوتی؛ جیسا کہ بہت سے مسلمان بھی ایسے ہیں کہ جو خود کو اہل توحید اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیروکار تو سمجھتے ہیں، لیکن دین کے ابتدائی مسائل سے بھی آشنا نہیں ہوتے۔

قرآن کریم کی آیات اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی روایات کی روشنی میں حقیقی اجر اور صلہ ان لوگوں کو ملے گا جو اپنے مذہبی کام اور عبادات علم، آگاہی، یقین اور اطمینان کے ساتھ انجام دیتے ہیں؛ نہ ان لوگوں کو کہ جو ابہام کے ساتھ، تزلزل اور دو دلی کی حالت میں اور سطحی آگاہی کی روشنی میں یہ اعمال انجام دیتے ہیں۔

جو لوگ فقط اس ہدف کے تحت امام کی زیارت کرنے آتے ہیں کہ ان کی آرزوئیں پوری ہو جائیں، بیماریوں سے شفا مل جائے، قرضے ادا ہو جائیں اور دنیاوی پریشانیاں اور غم مٹ جائیں، لیکن انہیں امام کی معرفت نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ یہ جانتے ہیں کہ امام کون ہوتا ہے اور اسے یہ مقام و منزلت کیوں حاصل ہوئی ہے، ایسے لوگوں کی زیارت، در اصل، قبولیت کا وہ درجہ نہیں رکھتی جو اس زائر کی زیارت رکھتی ہے کہ جو اہل معرفت ہو اور ائمہ اطہار علیہم السلام کو اس طرح پہچانتا ہو جس طرح خود

انہوں نے اپنا تعارف کروایا ہے۔

امام کا تعارف امام کی زبانی:

امامؑ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے جہاں قرآن مجید کی آیات اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے وہاں خود ائمہ اطہار علیہم السلام کے فرامین کی روشنی میں بھی ان کی معرفت حاصل کی جا سکتی ہے۔ حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام ،اس حوالے سے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امام اور خدا کی حجت کون ہوتا ہے، ایک مفصل حدیث ارشاد فرماتے ہیں ؛جس کا ایک حصہ یہ ہے:

,,وَالاِمَامُ یُحَلِّلُ حَلالَ اللهِ وَ یُحَرِّمُ حَرَامَ اللهِ وَیُقِیمُ حُدُودَ اللهِ یَذُبُّ عَنْ دِینِ اللهِ وَ یَدْعُوا اِلٰی سَبِیلِ رَبِّهِ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ الْحُجَّةِ الْبَالِغَةِ ..،، ۱

یعنی، امام علیہ السلام خدا کی حلال کردہ چیز کو حلال اور حرام کردہ چیز کو حرام قرار دیتا ہے اور الٰہی قوانین لاگو کرتا ہے۔ خدا کے دین کی حفاظت کرتا ہے اور حکیمانہ طریقے سے، نیک نصیحتوں کے ذریعے اور برہان قاطع کی روشنی میں لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کے اس فرمان کی روشنی میں امام شناسی کے حوالے سے چند اصول سامنے آتے ہیں۔

۱- شیعہ نکتہ نگاہ سے، امام ہمیشہ الٰہی احکام کے حدود کے دائرہ میں

۱- بحار الانوار ج ۲۵، ص ۱۲۳

حرکت کرتا ہے، خداوند عالم کی حلال کردہ چیز کو کسی طور حرام نہیں کرتا اور حرام کردہ چیز کو حلال قرار نہیں دیتا۔

۲۔ امام نہ تنہا دین کے احکام اور حلال و حرام الٰہی کا پابند ہوتا ہے بلکہ ان احکام پر سب سے بڑھ کر عمل کرنے والا اور ان کا سرسخت مدافع بھی ہوتا ہے۔

۳۔ امام اپنی تمام تر توانائیاں اور ذرائع، لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دینے میں صرف کردیتا ہے امام کا ہدف، خدا کا دین ہوتا ہے اور امام اپنی ذات اور اپنے وقار کی خاطر کچھ انجام نہیں دیتا۔

بنابرایں، شیعوں اور مسلمانوں کے اس گروہ میں جو ہر خلیفہ کی اطاعت کو واجب قرار دیتا ہے، خواہ وہ خلیفہ، دین کے احکام کی مخالفت ہی کیوں نہ کرتا ہو، بہت بڑا فرق ہے۔ ہاں! کچھ ایسے شیعہ گروہ بھی ہیں جو بارہ امامی نہیں ہیں۔ ایسے بعض گروہ تو فقط حضرت علی علیہ السلام کو مانتے ہیں اور باقی اماموں کی امامت پر ایمان نہیں رکھتے۔ بعض حضرت امام سجاد علیہ السلام تک کے ائمہ کو مانتے ہیں اور ان کے بعد، ان کے بیٹے حضرت زید ابن علی کو امام مانتے ہیں۔ کچھ حضرت امام صادق علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے جناب اسماعیل ابن جعفر کو ان کا جانشین قرار دیتے ہیں اور انہیں اسماعیلیہ کہا جاتا ہے۔ ممکن ہے اہل سنت تو ان سب گروہوں کو شیعہ اور امامیہ تصور کرتے ہوں لیکن، اصل میں بارہ امامی شیعوں اور دوسرے شیعہ فرقوں کے درمیان ایک اہم فرق یہ ہے کہ دوسرے شیعہ فرقوں نے مختلف بہانوں کے سہارے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت اور آپؐ کے قرار دیے گئے حرام و حلال اور بعض دیگر شرعی احکام میں 'کہ جن میں روزہ اور نماز بھی شامل ہیں' تبدیلیاں کی ہیں اور ایسے لوگوں کی رہبری قبول کی ہے کہ جن کا عقیدہ اور طرز عمل

قرآن کریم کی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔

لیکن بہت سے دلائل کی روشنی میں جن میں سے ایک دلیل خود امام رضا ؑ کی یہی سابقہ حدیث ہے۔ بارہ امامی شیعہ، امامؑ کو نبی اکرمؐ کی شریعت کا پابند، قرآن کا مروج، اس پر عمل کرنے والا اور قرآن کے حلال وحرام کا محافظ قرار دیتے ہیں۔ اگر بارہ امامی شیعوں کے صدر اسلام کے خلفاء کی حقانیت کو مسترد کیا ہے تو اس کی وجہ بھی یہی وجہ ہے کہ امامت اللہ تعالیٰ کی جانب سے تعین کیا جاتا ہے۔ اور حضرت علی ؑ کے علاوہ، کسی دوسرے شخص کو علمی اور عملی لحاظ سے مسلمانوں کی رہبری کے اہل نہیں سمجھتے اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی ؑ کی علمی اور معنوی لحاظ سے برتر شخصیت کی موجودگی میں کوئی شخص یہ لیاقت نہیں رکھتا تھا کہ وہ امت مسلمہ کی دینی اور سیاسی راہبری کا بیڑا اٹھائے۔

امام ؑ کی علمی برتری:

حضرت امام رضا ؑ فرماتے ہیں:

”اَلْاِمَامُ وَاحِدُ دَهْرِه، لَا يُدَانِيهِ اَحَدٌ وَلَا يُعَادِلُهُ عَالِمٌ وَلَا يُوْجَدُ مِنْهُ بَدَلٌ“ ١

یعنی، امام اپنے زمانے میں بے ہمتا ہوتا ہے؛ فضائل و کمالات میں کوئی اس کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا؛ کوئی عالم امام کے علم کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی ’غیر معصوم‘ امام کا جانشین بن سکتا ہے۔

اگر حضرت امام رضا ؑ، امامؑ کو اپنے زمانے کا ”بے ہمتا“ شخص قرار دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ لوگوں کی توجہ خدا سے

١۔ بحار الانوار ج ٢٥ ص ١٢٣

ہٹا کر اپنی طرف مبذول کروانا چاہتے ہیں اور خدا کے مقابلے میں اپنے لئے کسی خاص مقام ومنزلت کے قائل ہیں؛ بلکہ اس کے برعکس، امامؑ چاہتے کہ ہیں کہ لوگوں کو عالم نما، امامت کے جھوٹے دعویداروں سے آشنا کردیں جو انہیں خدا کی بجائے اپنی طرف بلاتے ہیں۔ لہٰذا امامؑ یہ نکتہ یاددلانا چاہتے ہیں کہ صرف وہی شخص راہبری کی لیاقت رکھتا ہے جو اپنے زمانے کے تمام علماء سے علم میں برتر اور اخلاقی حوالے سے ان سب سے افضل ہو اور یہ ایک ایسا معیار ہے کہ جس کی روشنی میں لوگ آسانی سے حق وباطل کو پہچان سکتے ہیں۔

اگر ایک شخص لوگوں کے علمی، دینی اور اعتقادی مسائل کا حل یا تو پیش ہی نہ کر سکے یا پھر غلط راہ حل پیش کرے، وہ کسی بھی طور امام نہیں بن سکتا ۔ بنابراین، امامت فقط دعوے سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ دلیل سے ثابت ہوتی ہے۔ ائمہ اطہار علیہم السلام کی امامت نہ فقط ان کے زمانۂ حیات میں قابل شناخت تھی بلکہ اب بھی قابل شناخت ہے۔ ہر امام کی اپنے بعد کے امام کے بارے میں احادیث، ہر امامؑ کی سرگزشت اور ان کا کردار وگفتار وہ معیار ہیں کہ جن پر امامؑ کا غیر امام سے مقایسہ کیا جا سکتا ہے اور امامؑ کی صداقت اور اس کی امامت کی گواہی دی جاسکتی ہے۔

علم ومقام امامؑ خدا کی جانب سے ہے۔

حضرات ائمہ اطہار کا علم، فضائل اور کمالات، سب کچھ خدا کا عطا کردہ ہوتا ہے اور اپنے آپ کو خداوند متعال کا بندہ سمجھتے ہیں۔ وہ اگر کبھی اپنے علم اور فضائل کی برتری کی بات کرتے بھی ہیں تو اس لئے کہ لوگ انہیں پہچان لیں، ان پر بھروسہ کریں اور خدا کی بندگی کا طور وطریقہ اور دین داری کی راہ ورسم ان سے سیکھیں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ وَ الْاَئِمَّۃَ یُوَفِّقُهُمُ اللّٰہُ وَ یُؤْتِیْهِمْ مِنْ مَخْزُوْنِ عِلْمِهٖ مَا لَا یُؤْتِیْهِ غَیْرَهُمْ فَیَکُوْنُ عِلْمُهُمْ فَوْقَ کُلِّ عِلْمِ اَهْلِ زَمَانِهِمْ''[1]

یعنی، خداوند متعال انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کو توفیق عطا کرتا ہے اور انہیں اپنے خزانۂ علم و حکمت سے وہ کچھ عطا کرتا ہے جو کسی کو عطا نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا علم اپنے زمانے کے سب علماء کے علم سے برتر ہوتا ہے۔

امامؑ مخلوقات پر اللہ کی جانب سے حجت:

ممکن ہے یہ سوال پوچھ لیا جائے کہ خداوند عالم نے اپنے بندوں میں سے بعض کو پیغمبر یا امام کے طور پر کیوں برگزیدہ کیا ہے اور انہیں عام انسانوں سے زیادہ علم اور کمالات کیوں عطا کیے ہیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ خداوند عالم نے نیکیوں اور اچھائیوں کی طرف راہنمائی کرنے کے لئے، اپنے بندوں کو دو قسم کے راہبر عطا کئے ہیں۔ ایک رہبر عقل ہے کہ جو اندرونی رہبر ہے اور دوسرے رہبر پیغمبرؐ اور امامؑ ہیں کہ جو بیرونی رہبر ہیں۔ اور خداوند عالم نے اس لئے کہ انسان کی زندگی سیدھے راستے پر استوار رہے، اسے جو ذرائع عطا کیے ہیں ان میں سے سب سے اعلیٰ ذریعہ عقل ہے، کیونکہ اگر عقل نہ ہو تو انسان ایک پست اور خطرناک موجود بن جائے گا۔ خداوند عالم نے عقل کو ایک نورانی اور منوّر کرنے والا جوہر بنایا ہے تاکہ انسان عقل کی روشنی میں اپنی

۱۔ بحار الانوار ج ۲۵ ص ۱۲۷

وجودی توانائیوں سے بھرپور فائدہ اٹھا سکے، لیکن چونکہ عقل اکیلے ہی انسان کی زندگی کے تمام مادی اور معنوی زاویوں پر روشنی نہیں ڈال سکتی لہٰذا اس کی رہنمائی کے لئے خداوند عالم نے انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کا انتخاب کیا ہے اور انہیں خاص علم وحکمت بخشی ہے تاکہ وہ لوگوں کی عقل و فکر کی راہنمائی کریں اور خدا کے مقرر کردہ راستے پر چلنے میں ان کی مدد کریں۔

بنا براین، انبیاء وائمہ علیہم السلام اور عقل، خدا کی حجت ہیں، یعنی خداوند متعال نے ان دونوں چراغوں اور راہنماؤں کے ذریعے انسان کو تمام خوبیاں اور اچھائیاں یوں دکھلا دی ہیں کہ گویا ان انوار کے ہوتے ہوئے کوئی بھی انسان خدا کی بارگاہ میں یہ عذر پیش نہیں کرسکتا کہ وہ اس لئے حق پر عمل نہیں کرسکا کہ حق کو پہچانتا نہ تھا۔ خداوند عالم ایسا کوئی بہانہ قبول نہیں کرے گا، کیونکہ ان دو انتہائی طاقتور دلیلوں اور پر فروغ انوار کی موجودگی میں کسی پر حق و باطل کا راستہ مخفی نہیں رہ سکتا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام، ایک اور حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اخْتَارَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِاُمُوْرِ عِبَادِهٖ شَرَحَ صَدْرَهٗ لِذٰلِكَ وَ اَوْدَعَ قَلْبَهٗ يَنَابِيْعَ الْحِكْمَةِ وَ اَلْهَمَهُ الْعِلْمَ اِلْهَامًا فَلَمْ يَعْيَ بَعْدَهٗ بِجَوَابٍ وَ لَا يُحَيَّرُ فِيْهِ عَنِ الصَّوَابِ." [1]

یعنی، جب خداوند عالم، اپنے کسی بندے کو دوسرے بندوں کے راہنما کے طور پر چن لیتا ہے تو یہ ذمہ داری نبھانے کی غرض سے اس کا سینہ کھول

۱۔ بحار الانوار ج ۲۵، ص ۱۲۷

دیتا ہے اور اس کے دل میں حکمت کے چشمے جاری کر دیتا ہے اور اسے ایسا علم عطا کرتا ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے وہ کسی سوال کا جواب دینے سے عاجز نہیں رہتا اور اچھائیوں کی تشخیص اور ان کے بیان میں کسی قسم کے شک و تردید کا شکار نہیں ہوتا۔

"وَ هُوَ مَعْصُومٌ مُؤَيَّدٌ مُوَفَّقٌ مُسَدَّدٌ قَدْ اٰمِنَ الْخَطَايَا وَ الزَّلَلِ وَ الْعِثَارِ، يَخُصُّهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ بِذٰلِكَ لِيَكُوْنَ حُجَّتَهُ عَلٰى عِبَادِهِ." ۱

یعنی، امام معصوم ہوتا ہے، اسے خداوند عالم کی توفیق و تائید حاصل ہوتی ہے اور وہ ہر قسم کی خطا اور لغزش سے محفوظ ہوتا ہے۔ خداوند عالم اسے یہ امتیاز اس لئے عطا کرتا ہے تاکہ وہ اس کے بندوں پر اس کی حجت قرار پائے اور لوگ اس کی راہنمائی میں حق کے راستے کو پہچان سکیں اور اس پر آگے بڑھ سکیں۔

امام، خدا کا بہترین بندہ:

دینی پیشواؤں اور ائمہ اطہار علیہم السلام نے ہمیشہ اپنی احادیث اور مناجات میں خداوند عالم کی بندگی اور غلامی کا اقرار کیا اور اسے اپنے لیے مایۂ افتخار قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنے شیعوں سے ہمیشہ یہی مطالبہ کیا ہے کہ وہ خداوند عالم کی بندگی اختیار کریں اور خدا کے علاوہ کسی کی پرستش نہ کریں خدا کے علاوہ کسی سے استعانت نہ کریں کیونکہ دعائیں قبول کرنے والا فقط اور فقط خدا ہی ہے اور اس کے اذن کے بغیر حتیٰ انبیاء اور ائمہ علیہم السلام بھی کسی قدرت و اختیار کے مالک نہیں

۲۔ بحار الانوار ج ۲۵ ص ۱۲۷

ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ طاہرین ہمیشہ دو قسم کے لوگوں سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے رہے ہیں:

۱- وہ لوگ جو ان کے حق میں مبالغہ آرائی کرتے ہیں اور ان کے لئے ایسے مقام و منزلت کے قائل ہیں جو خدا کے لئے مخصوص ہے۔

۲- وہ لوگ جو ان کے حق میں کوتاہی کرتے ہیں اور خدا نے انہیں جو علمی اور معنوی مقام و منزلت عطا کیا ہے اس کے منکر ہیں۔

یہ افراط و تفریط، دراصل، دونوں ہی جہل اور نادانی کا نتیجہ ہیں۔ ایک شخص نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا:

''میں نے سنا ہے کہ کچھ لوگ ائمہ علیہم السلام کے حق میں مبالغہ کرتے ہیں اور انہیں ایسی صفات کا مالک سمجھتے ہیں کہ جو خدا کے بندے اور ایک انسان کی صفات سے برتر ہیں۔''

حضرت امام رضا علیہ السلام نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

''میرے آباء و اجداد نے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میں جس مقام کا مستحق ہوں مجھے اس سے مت بڑھاؤ، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے مجھے پہلے اپنے بندہ کے طور پر برگزیدہ کیا اور پھر اپنا نبی قرار دیا ہے''

یعنی، خداوند عالم کی بارگاہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبودیت اور بندگی کا مقام، نبوت کے مقام پر سبقت رکھتا ہے۔ پھر حضرت امام رضا علیہ السلام نے حضرت علی علیہ السلام کی یہ حدیث بیان فرمائی ہے:

''دو گروہ میرے حوالے سے بھٹکے اور ہلاکت کی وادی میں

گرے ہیں، کہ جس کی ذمہ داری بھی مجھ پر نہیں ہے ایک انتہا پسند دوست اور دوسرے مجھے حقیر سمجھنے والے میرے بدخواہ دشمن۔"

حضرت امام رضا علیہ السلام نے یہ حدیث بیان فرمانے کے بعد فرمایا:

"وہ لوگ جو مبالغہ آرائی کرتے ہیں اور ہمارے مقام اور مرتبے کو بندگی کے مقام سے بڑھاتے ہیں، ہم ان سے بیزار ہیں پس اگر کوئی انبیاءؑ کے لئے ربوبیت اور پروردگاری کے مراتب میں سے کسی مرتبے کا قائل ہو یا ائمہؑ کے لئے نبوت کے رتبے کا قائل ہو، یا جو شخص امام نہیں ہے اسے امام مان لے، ہم دنیا اور آخرت میں ایسے شخص سے بیزار ہیں"[1]

۱۔ بحار الانوار ج ۲۵ ص ۱۳۵

انسانی زندگی میں امامؑ کا کردار

انسانی زندگی میں امام کا سب سے اہم کردار رہبری کا کردار ہے، ائمہ طاہرین کا فریضہ یہ تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں کو دین کے احکام اور قرآن کریم کی تعلیمات سے آشنا کردیں اور دشمنوں کے حملوں کے مقابلے میں دین کا دفاع کریں۔

لیکن چونکہ انسان کی مادی اور معنوی زندگی کا باہمی رابطہ ہے اور اس کی مادی اور معنوی ضروریات کے درمیان حد فاصل نہیں کھینچی جاسکتی، لہذا ائمہ طاہرین علیہم السلام نہ فقط انسان کی علمی اور معنوی ضروریات پوری کرتے اور اسے دین سے آشنا کرتے ہیں بلکہ مادی زندگی میں بھی اس کی راہنمائی کرتے ہیں۔

پیغمبرؐ ہوں یا امامؑ، ان کی مہربانی، لطف، دعا اور بخشش، فقط ان کے زمانۂ حیات تک محدود نہیں ہوتی کیونکہ وہ رحلت اور شہادت کے بعد بھی سنتے اور دیکھتے ہیں اور لطف الٰہی کے طفیل مومنین اور محبین کے حق میں دعا فرماتے اور خدا کی بارگاہ سے ان کے لئے خیر و برکت اور رحمت و وسعت طلب کرتے ہیں۔

ہاں! یہ کوئی پیچیدہ بات نہیں ہے، کیونکہ اسلامی عقائد کی روشنی میں، موت نابودی نہیں ہے بلکہ بدن سے روح کے جدا ہونے کا

نام موت ہے۔ انسان کے وجود کے اندر وہ اصل عنصر جو اسے سمجھنے، سننے اور دیکھنے کے لائق بناتا ہے وہ انسانی روح ہے نہ کہ بدن۔ بنابراین، نہ فقط پیغمبرؐ اور امامؑ بلکہ ہر انسان مرنے کے بعد بھی اس دنیا کے حقائق کو دیکھنے اور سننے کی قدرت رکھتا ہے۔ اصل فرق یہ ہے کہ دیگر انسان اپنے گناہوں اور خطاؤں کی وجہ سے، عالم آخرت میں قید و بند کا شکار ہوتے ہیں لہذا انہیں نہ تو کوئی خاص مقام و منزلت حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی آزادی؛ لیکن پیغمبرؐ اور ائمہ اطہار علیہم السلام چونکہ خدا کے نزدیک انتہائی بلند مقام و مرتبہ رکھتے ہیں لہذا جس طرح دنیا میں ان کی دعا قبول ہوتی ہے، دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد بھی ان کا فیض مخلوقات تک پہنچتا رہتا ہے۔ حضرت امام صادق علیہ السلام ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں:

''امامت کا مستحق وہ شخص ہے جو عوام کیلئے ایک باپ کی طرح مہربان اور ان کا غمخوار ہو''[1]

بڑی واضح سی بات ہے کہ انسان کا باپ جس طرح اس کی اخلاقی اور معنوی زندگی میں کردار ادا کرتا ہے اسی طرح اس کی مادی اور جسمانی ضروریات بھی پوری کرتا ہے۔ اس امت کے ایک مہربان باپ کی حیثیت سے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دین، توحید اور معرفت الٰہی کی تعلیم دی، اپنے اخلاق مواعظ اور اسوۂ زندگی کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں باہمی

۱۔ الخصال، ج ۱، ص ۵۵

الفت اور دوستی کا جذبہ پیدا کیا اور اپنی دعائے خیر و برکت کے ذریعے انکے دل و جان کو اطمینان وسکون کی دولت سے مالا مال کیا۔ امام بھی پیغمبر کا وصی اور جانشین ہوتا ہے اور جو ذمہ داری پیغمبرؐ انجام دیتا ہے امام بھی وہی ذمہ داری انجام دیتا ہے۔ (فرق صرف یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی ہے لیکن امام پر وحی نازل نہیں ہوتی بلکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے ساتھ قرآن مکمل ہو گیا اور وحی کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گیا۔

امام علیہ السلام کی کرامتیں اور معجزات

وہ لوگ جو امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کی زیارت کو آتے ہیں، ممکن ہے ان میں سے اکثر کی توجہ امام کے روحانی، علمی اور دینی مقام و مرتبہ کی بجائے، ان کرامتوں اور معجزات پر ہو کہ جو آپ کے زائرین اور آپؑ کو وسیلہ قرار دینے والوں کے لئے رونما ہوئے ہیں۔

اہل بیت اطہار علیہم السلام کی کرامتیں اور ان کی بارگاہوں میں خداوند عالم کی جانب سے دعا مستجاب کرنا، ایک ایسا موضوع ہے کہ جو اہل تشیع کے نزدیک مسلم ہے، دینی کتب اور خاص طور پر قرآن کریم، ان برگزیدہ ہستیوں سے ایسی کرامتوں کے ظاہر ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔ ہاں! اہل بیت اطہار علیہم السلام کے محبوں اور ان کی ولایت رکھنے والوں پر یہ بات واضح رہے کہ خود اہل بیت اطہار علیہم السلام کی طرف سے ان کے زائرین اور خدا کی بارگاہ میں ان کا وسیلہ پیش کرنے والوں کے حق میں جو کرامتیں اور عنایتیں رونما ہوتی ہیں وہ خدا کے اذن و ارادے سے رونما ہوتی ہیں اور ائمہ اطہار علیہم السلام خدا کے اذن کے بغیر نہ تو کسی کی پکار سنتے ہیں، نہ کسی بیمار کو شفا دیتے ہیں، نہ کسی گنہگار کی شفاعت کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے پاس خدا کی اجازت کے بغیر کوئی ایسی قدرت ہے۔

اس کے علاوہ، اگر خدا نے پیغمبر اکرم اور ائمہ اطہار علیہم السلام کو ایسی

کرامتیں اور معجزات عطا کیے ہیں تو اس لیے تاکہ لوگوں کو عام علماء ، حکماء ، اور پیغمبرؑ اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے درمیان فرق کا پتہ چل جائے۔ پیغمبرؑ اور امامؑ کا ملکوت اعلیٰ سے رابطہ ہوتا ہے اور وہ خدوند عالم کی طرف سے حکم لیتے ہیں اور لوگوں کو دینداری ، اخلاق اور روحانیت کا سبق سکھاتے ہیں۔

بنابراین ، اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام (سلگتی آگ میں ، حیرت زدہ نگاہوں کے سامنے) بغیر کسی آسیب کے ، صحیح وسالم آگ سے باہر آتے ہیں تو اس لئے تاکہ لوگ جان لیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کوئی معمولی انسان نہیں ہیں ، لہذا توحید سے متعلق ان کے فرمودات کو سننا چاہیے اور اور بت پرستی کو خیرباد کہنا چاہیے ۔ اگر خداوند عالم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسا عصا عطا کرتا ہے کہ جو زمین پر ڈالتے ہی اژدہا بن جاتا ہے تو ایسا اس لئے ہے تاکہ فرعون کو پتہ چل جائے کہ وہ کسی معمولی انسان کے سامنے نہیں ہے اور بنی اسرائیل کو بھی پتہ چل جائے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام وہی نجات دہندہ ہیں جن کا سہارا لینا چاہیے ۔ اگر جناب عیسیٰ علیہ السلام ، مادرزاد اندھوں اور جذامیوں کو شفا دیتے ہیں اور مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں تو یہ سب کچھ خدا کے اذن سے اور اس لئے انجام دیتے ہیں تاکہ ان کے زمانے کے لوگ ان کے روحانی مقام کو درک کرلیں اور ان کی توحید سے متعلق باتیں مان لیں اور ہدایت اور تقوی کا راستہ اختیار کر لیں۔

اگر قرآن کریم کی صریح آیات کی روشنی میں ، جناب سلیمان علیہ السلام 'جو کہ ایک اولوالعزم پیغمبر بھی نہیں ہیں' چیونٹیوں کی بات سمجھتے ہیں ، کبوتروں سے بات کرتے ہیں اور طبیعت کے عناصر پر حکمرانی کرتے

ہیں تو یہ اس حقیقت کی حکایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں کے اختیار میں ایسی قدرت کا ہونا ایک ممکن بات ہے اور ایسی کرامتوں اور معجزوں پر عقیدہ رکھنا، کسی طور خداوند عالم کی قدرت کو نظر انداز کرنے کے مترادف نہیں ہے اور کوئی عقلمند اور مومن انسان بھی انبیاء اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی یہ کرامتیں دیکھ کر انہیں ربوبیت اور خداوندی کے مقام پر لا کھڑا نہیں کرتا؛ کیونکہ ایسے غیر معمولی مقامات پا کر بھی وہ ہستیاں ہمیشہ اس بات کی تاکید کرتی رہی ہیں کہ وہ خدا کے بندے، اس کی مخلوق اور اس کے مطیع ہیں اور ان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ خدا کا عطا کردہ اور اس کی رضا و رغبت سے لیا گیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، ایک حدیث میں امام کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بیان کرتے ہیں کہ:

''امام ہر گناہ اور لغزش سے پاک ہوتا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس سے سابقہ امام واضح طور پر اس کی امامت کا اعلان کرتے ہیں۔ امام سب سے بڑا عالم اور متقی ہوتا ہے وہ خدا کی کتاب کو دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے۔ اس سے سابقہ امام واضح الفاظ میں اسے اپنا وصی قرار دیتا ہے۔ وہ صاحب معجزہ[1] ہوتا ہے اور قانع کنندہ دلیل لاتا ہے فقط امام کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل ہمیشہ جاگتا ہے۔[2]

جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ، معجزے اور دلیل کی توضیح بیان کرتے

۱۔ وہ نشانی جو دوسرے پیش نہیں کر سکتے۔

۲۔ بحار الانوار ج ۲۵ ص ۱۴۰

ہوئے فرماتے ہیں کہ معجزے سے مراد امام کا علم ہے کہ جس کی برابری کوئی نہیں کرسکتا اور دوسری دلیل سے مراد لوگوں کی حاجات اور دعائیں پوری کرنا ہے۔ا

ایک اور روایت میں حضرت امام محمد باقر (علیہ السلام) نے امام کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بیان کی ہے کہ:

''امام، ہر زبان میں بات کرسکتا ہے''۲

بلاشبہ، ائمہ طاہرین علیہم السلام نے یہ علم و دانش اور یہ کرامت، درس پڑھ کر یا ریاضتوں کے راستے سے حاصل نہیں کیں؛ کیونکہ ان کے علم و دانش اور کرامات میں اور ایک عام انسان کے علم و دانش اور اس کے بعض خارق العادۃ کاموں میں بنیادی فرق ہوتا ہے۔

بنا براین، ائمہ طاہرین علیہم السلام کے پاس جو کچھ ہے وہ خدا کا عطا کردہ اور اس کے لطف و عنایت کے طفیل ہے اور اگر یہ لطف الٰہی نہ ہوتو ان کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

۳- بحار الانوار ج ۲۵ ص ۱۳۰،

۴- ایضاً ج ۲۵ ص ۱۳۱،

امامؑ کی اپنے زائرین اور محبین سے توقعات

دیگر ائمہ اطہار علیہم السلام کی طرح حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام نے بھی وہی راستہ اختیار کیا جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار کیا تھا اور آپؑ کی اپنے شیعوں سے وہی توقعات ہیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب مسلمانوں سے توقعات ہیں۔

اگر روایات میں آپؑ کو سورج سے تشبیہ دی گئی ہے تو اس لئے تا کہ آپؑ کے ماننے والے اور محبّ، آپؑ کے نور ہدایت، علم اور اخلاق سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو منور کر لیں۔

جو لوگ خود کو اہل بیت اطہار علیہم السلام کا محبّ سمجھتے ہیں لیکن اپنے طرز عمل اور زندگی میں ان سے کوئی شباہت نہیں رکھتے اور نہ ہی ان کے فرامین پر عمل کرتے ہیں، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک دشوار گذار گھاٹی سے گذر رہا ہو اور سورج کی روشنی کے ہوتے ہوئے بھی آنکھیں بند کر لے۔

اگر خداوند عالم نے انسانی معاشروں میں انبیاؑ اور ائمہ اطہار علیہم السلام کو بھیجا ہے اور انہیں لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے اور دین کی طرف راغب کرنے کی غرض سے معجزے اور کرامات عطا کی ہیں تو ایسا اس لئے ہے تا کہ لوگ ان کی حقانیت پر ایمان لے آئیں اور ان

کی پیروی میں سعادت کا راستہ طے کریں۔

حضرات ائمہ اطہار علیہم السلام انسانیت کے معلم ہیں۔ ان سے خدا شناسی، اخلاق اور انسانیت کا درس سیکھنا چاہیے تا کہ حقیقی سعادت حاصل کی جا سکے۔ جو لوگ خود کو شیعہ اور محب اہل بیت اطہار علیہم السلام کہلواتے ہیں اور اپنا تعارف اسی حوالے سے کرواتے ہیں ان کے وجود میں اہلبیت علیہم السلام کے علم، معرفت، اخلاق، دینداری، روحانیت اور عبادت کی نشانیاں بھی پائی جانی چاہئیں۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان کے مطابق انہیں اہلبیت اطہار علیہم السلام کے لئے مایۂ زینت بنا چاہیے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

''رَحِمَ اللّٰهُ عَبْداً اَحْیا اَمْرَنا''

یعنی خداوند عالم اس شخص پر رحم فرمائے جو ہمارے امر کو زندہ کرے۔

آپؑ سے پوچھا گیا کہ آپ کے امر کو کیسے زندہ کیا جا سکتا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''یَتَعَلَّمُ عُلُوْمَنَا وَ یُعَلِّمُهَا النَّاسَ فَاِنَّ النَّاسَ لَوْ عَلِمُوْا مَحَاسِنَ کَلَامِنَا لَا تَّبَعُوْنَا''[1]

یعنی، ہمارا علم حاصل کریں اور لوگوں کو وہ علم سکھائیں؛ کیونکہ جب لوگوں کو ہمارے تعلیمات میں پوشیدہ خوبیوں اور اعلی قدروں کا علم ہو جائے گا تو یقیناً وہ ہماری اطاعت و پیروی کریں گے۔

1۔ عیون اخبار رضا ج ۱، ۳۰۷

اچھے مستقبل کی نوید

حضرت امام رضا علیہ السلام کے مکتب سے سیکھنے کے لائق اور زیبا نکات بہت زیادہ ہیں لیکن اس کتاب کے دامن میں گنجائش کم ہے۔ لہٰذا جو مطالب بیان ہو چکے ہیں ہم انہی پر اکتفا کرتے ہوئے، اس تحریر کو انسانیت کے روشن مستقبل کی ایک اچھی نوید کے ساتھ پایۂ اختتام کو پہنچاتے ہیں۔

جناب دعبل خزاعی کا نام اور اس کے مجاہدانہ اشعار سے اہل تشیع بخوبی آشنا ہیں۔ دعبل خالص شیعی افکار کو اپنے اشعار کی دھن میں ذہنوں اور دلوں کی نذر کرتا تھا تا کہ خاندان عترت وطہارت علیہم السلام کا نام اور ان کی ولایت اور محبت کی نسیم جان، اسلامی سرزمین کے دور دراز کے علاقوں تک پھیل جائے۔

اس مجذوب شاعر نے امام رضا علیہ السلام کی موجودگی میں اپنے اشعار میں ایک ایسا پرشکوہ منظر ترسیم کیا تھا کہ جس سے امام علیہ السلام بہت متاثر ہوئے۔ جناب دعبل نے اپنی اس حماسی اور پرجوش شاعری کا آغاز، زمانے کی بے پروائی اور ان فکری مکاتب کے ذکر سے کیا جو مکتب وحی سے بہت دور تھے۔ اس نے ہر ایک امام کا زندگی نامہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور پھر ان اشعار پر پہنچا:

خُرُوْجُ الْاِمَامِ لَا مُحَالَۃَ خَارِجٌ

يَقُوْمُ عَلٰى اسْمِ اللهِ وَ الْبَرَكَاتِ

يُمَيِّزُ فِيْنَا كُلَّ حَقٍّ وَّ بَاطِلٍ

وَ يَجْزِیْ عَلٰى النُّعَمَاءِ وَ النَّقِمَاتِ

یعنی، یقیناً ایک وقت آئے گا جب امام قائمؑ قیام فرمائے گا۔
اس کا قیام، خدا کے نام اور برکت وخوشحالی کے ہمراہ ہوگا، وہ حق کو باطل سے جدا کرے گا اور نعمتوں اور نقمتوں پر جزا دے گا۔

فہرست

۱	مقدمہ مؤلف	۵
۲	مقدمہ مترجم	۹
۳	حضرت امام رضا (ع) کی زندگی کا اجمالی تعارف	۱۱
۴	حضرت علی بن موسیٰ الرضا (ع) کی امامت	۱۳
۵	امام (ع) روایات کے آئینے میں:	۱۳
۶	حضرت امام رضا (ع) کی معنوی شخصیت	۱۶
۷	حضرت امام رضا (ع) کی اخلاقی شخصیت	۱۹
۸	حضرت امام رضا (ع) کی علمی شخصیت	۲۳
۹	امام (ع) کے مناظرات	۲۳
۱۰	ادیان و مکاتب سے واقفیت	۲۴
۱۱	مختلف زبانوں سے آگاہی	۲۵
۱۲	مامون کی پشیمانی	۲۵
۱۳	حضرت امام رضا (ع) کی سیاسی زندگی	۲۷
۱۴	ہارون رشید کی پشیمانی	۲۹
۱۵	مامون کی حکومتی مشکلات	۲۹
۱۶	حضرت امام رضا (ع) کا مدینہ سے مرو کی طرف روانگی	۳۱
۱۷	پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر سے وداع:	۳۲
۱۸	اقتدار کی تجویز و دو دھاری تلوار	۳۳
۱۹	مشکل ترین انتخاب	۳۵
۲۰	مامون اپنی سازشوں کے گرداب میں	۳۵

۲۱	پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی سنت کے مطابق نماز عید کی ادائیگی۔	۴۳
۲۲	پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی قبر سے وداع	۴۵
۲۳	مامون اپنی سازشوں کی گرداب میں	۴۵
۲۴	مامون کے سیاسی طرز عمل میں تبدیلی	۴۶
۲۵	نئی سیاست کی راہ میں پہلا قدم	۴۷
۲۶	نئی سیاست کی راہ میں دوسرا قدم	۴۷
۲۷	حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت	۴۹
۲۸	حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت، روایات کی روشنی میں:	۵۱
۲۹	سورج بادلوں کے پیچھے	۵۴
۳۰	امام علیہ السلام کا حرم اہل دل کا قبلہ	۵۷
۳۱	زیارت، طلب کی جستجو میں ایک قدم	۵۹
۳۲	معرفت کا سلام	۶۱
۳۳	امامؑ کی شناخت	۶۳
۳۴	امام کا تعارف امام کی زبانی	۶۴
۳۵	امامؑ کی علمی برتری	۶۶
۳۶	علم ومقام امامؑ خدا کی جانب سے ہے۔	۶۷
۳۷	امام مخلوقات پر اللہ کی جانب سے حجت	۶۸
۳۸	امام، خدا کا بہترین بندہ	۷۰
۳۹	انسانی زندگی میں امامؑ کا کردار	۷۳
۴۰	امام علیہ السلام کی کرامتیں اور معجزات	۷۶
۴۲	امامؑ کی اپنے زائرین اور محبین سے توقعات	۸۰
۴۳	اچھے مستقبل کی نوید	۸۲

۲ ۱۳۵۵

Islamic Research Foundation
Astan Quds Razavi
Mashhad - IRAN

ISBN 964-444-547-3
9 789644 445477